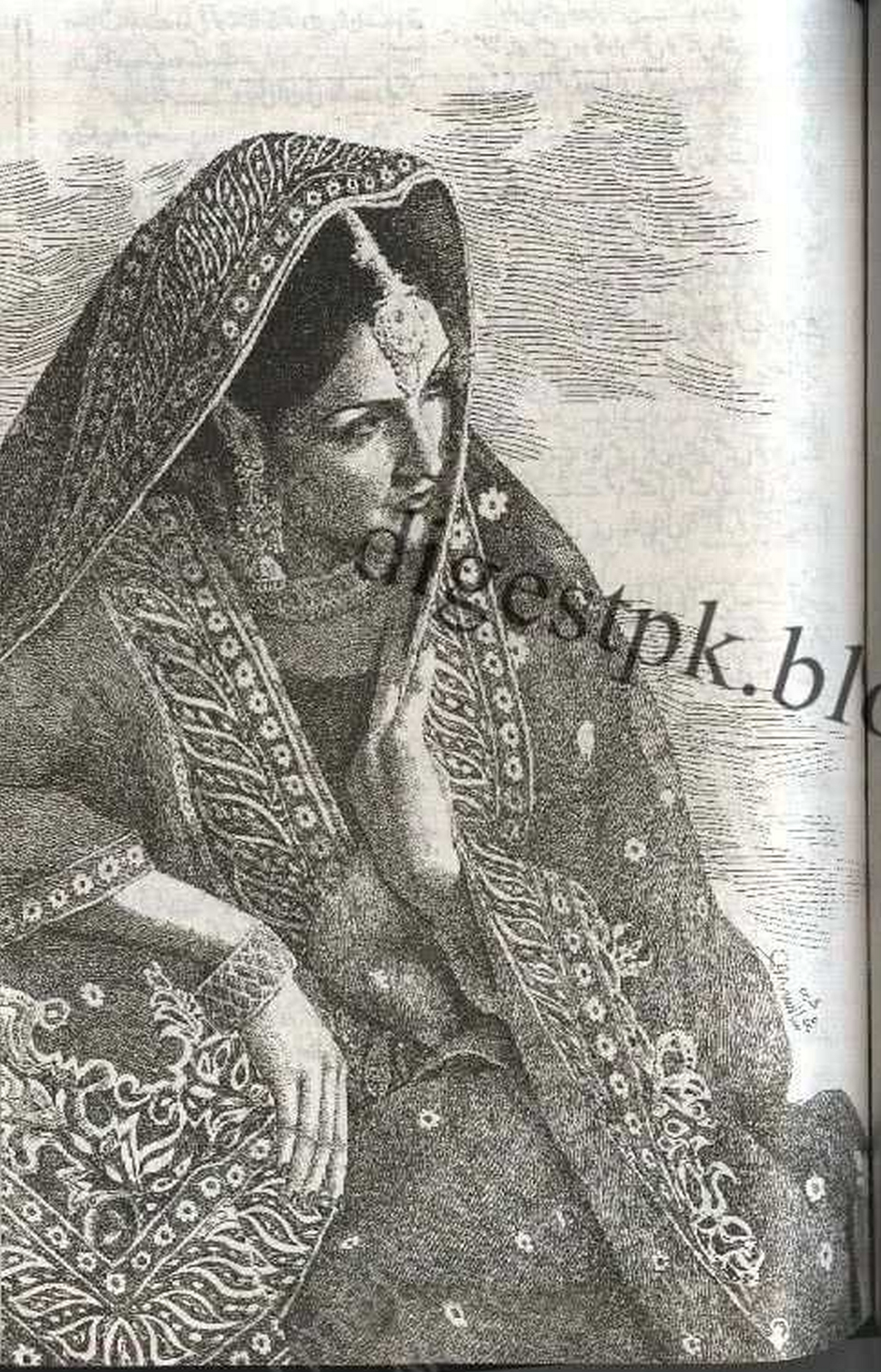

نبیلہ عزیز

عکس کردار

"داد بخش کو گولی لگ گئی سردار بیگم!" رجائی بدحواس سی بھاگتی ہوئی ان کے کمرے میں آئی تھی اور سردار بیگم کے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے بکھر گئے ہی ان کی انگلیوں سے پھسل گئے تھے۔ جہاں اس

مکمل ناول

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

ہولناک خبر سے دماغ کو جھٹکا لگا تھا وہیں ان کے ہاتھ پاؤں کانپ کے رہ گئے تھے۔

"سردار بیگم...!" رجائی ان کی حالت دیکھ کر گھبرا کر پریشان ہو گئی۔

"کہاں ہے داد بخش؟" ان کی چپ ٹوٹی تھی۔

"ہسپتال لے گئے ہیں' بتا رہے تھے بہت خون بہہ رہا تھا' پنڈ کی طرف آنے والی سڑک اس کے خون سے لال ہو چکی ہے۔"

"بس کر رجائی! ہمارا کلیجہ نہ کاٹ۔" سردار بیگم کا دل لرزنے لگا تھا انہوں نے ہاتھ اٹھا کر رجائی کو روک دیا۔

"معافی چاہتی ہوں سردار بیگم! پر میں نے جو سنا' وہی آ کر بتایا ہے۔" رجائی تھم گئی' اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ واقعی ان کے دل پر وار کیے جا رہی تھی۔

"اجو سے کہو گاڑی نکالے میں بھی ہسپتال جاؤں گی۔" انہوں نے تخت سے پاؤں نیچے اتارتے ہوئے کہا۔

"مہر ماہ کہاں ہے؟" انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"جی وہ تو شاید سو رہی ہیں۔"

"اتنی بے خبر سو رہی ہے؟" سردار بیگم کو مہر ماہ کی گہری اور بے خبر نیند کا سن کر تعجب ہوا تھا۔

"مسی بھی بے خبر سوئی تھی۔" رجائی افسوس سے بولی۔

"اللہ خیر کرے' منحوس کیسی بدفالیں بک رہی ہے' جا دفع ہو۔" سردار بیگم کو غصہ آ گیا تھا رجائی مسلسل ان کا دل دہلائے جا رہی تھی۔

وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی اور سردار بیگم اپنی چادر وغیرہ نکالنے لگیں' رجائی ان کو غصہ نہ دلاتی تو یہ کام اس نے ہی کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئیں تو باہر سے سب ہی ان کے منتظر بیٹھے تھے۔ سب سے پہلے بانو اور نگار آگے بڑھی تھیں۔

"دادی بیگم! وہ داد بخش...؟" بانو کا لہجہ مضطرب تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا داد بخش کو' بس اللہ سے اس کی زندگی کی دعا مانگو' وہ دعائیں قبول کرنے والا ہے۔"

انہوں نے خود کو مضبوط ظاہر کرتے ہوئے اپنی پوتی کو تسلی دی تھی' حالانکہ داد بخش کی حالت کا سن کر ان کے حوصلے خود ریت کی مانند بکھر رہے تھے اگر داد بخش کو کچھ ہو جاتا تو وہ یقیناً کچی مٹی سے بنی دیوار کی طرح ڈھے جاتیں۔ ان کی شخصیت کی بلند و بالا عمارت داد بخش کے سہارے ہی تو کھڑی تھی۔ داد بخش ان کی زندگی کا سرمایہ تھا... ان کی عمر بھر کی کمائی اور کون شخص اپنی کمائی اور اپنا سرمایہ لٹتے دیکھ سکتا ہے؟

ان کے دل کے ایک کونے سے اگر داد بخش کی زندگی کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں تو دل کے دوسرے کونے سے غم و غصے کی آگ لپک رہی تھی۔

"اس پہ گولی کس نے چلائی؟" نگار کو تجسس ہو رہا تھا۔

"یہ تو پتہ نہیں چلا بی بی جی' سڑک کے قریب جھاڑیوں میں سے چھپ کر فائر کیے گئے تھے۔ ہم کچھ دور ہی کھیتوں میں کام کر رہے تھے فائر کی آواز سن کر سڑک کی طرف بھاگے تو [illegible] وہ اپنی گاڑی کے قریب [illegible] ہوا تھا۔"

ان کے گاؤں کے ایک کسان نے ساری بات بتائی۔ داد بخش کو گولی لگنے والی اطلاع اسی نے آ کر دی تھی اور ابھی تک سردار بیگم کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ گولی کس نے چلائی ہے چلو رجائی!" انہوں نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔

"لیکن دادی بیگم! وہ مہر ماہ...؟" بانو بے ساختہ بولی تھی۔

"ہماری واپسی تک وہ اپنی بے خبری کا ماتم کرے گی' باقی کا ہم آ کر سنبھال لیں گے۔" سردار بیگم مہ بانو کو سمجھا کر رجائی کے ساتھ باہر نکل گئیں اور رفتہ رفتہ سب ہی ملازم وہاں سے ہٹ گئے تھے صرف مہ بانو اور مہر نگار بیٹھی رہ گئی تھیں۔

"کیا بنا داد بخش کا؟ بچ گیا یا چلا گیا؟" ہاجرہ بیگم بھی آ گئیں۔ ان کے طنزیہ لہجے پہ ان دونوں کو بہت غصہ آیا تھا۔

"اللہ نے چاہا تو وہ ٹھیک ہی ہو گا۔" بانو چبا کر بولی تھی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اگر وقت ہی آ گیا ہو تو کیا کہا جا سکتا ہے۔" ہاجرہ بیگم بے رحمی سے بولی تھیں۔

"آپ کو یہ سب کہتے ہوئے اللہ سے خوف نہیں آ رہا؟" نگار نے آنکھیں پھیلا کر دیکھا۔

"ارے کیوں بھئی؟ ایسا کیا غلط کہہ دیا میں نے؟" وہ انجان بن کر بولیں۔

"غلط تو آپ نے نہیں کہا لیکن اس وقت ہم یہاں بیٹھ کر کسی دوسرے کی موت و زندگی کی باتیں کر رہے ہیں ہم میں سے کسی کو کیا پتا کہ ہمارے پاس کتنا [illegible]" ہاجرہ بیگم [illegible] گئی تھیں۔

"کیسی بدفالیں منہ سے نکال رہی ہو' میں آج ہی سردار بیگم سے بات کروں گی۔"

"پھر تو مجھے بھی دادی بیگم کو بتانا پڑے گا کہ آپ داد بخش کے بارے میں کیسے سفاک خیالات رکھتی ہیں؟"

نگار آج جان بوجھ کر مہر ماہ کا انداز اپنا کر بولی تھی اور واقعی ہاجرہ بیگم ایک سیکنڈ میں سیدھی ہو گئی۔

"میں بھلا داد بخش کے بارے میں ایسے خیالات کیوں رکھوں گی؟ اتنا اچھا' اتنا سعادت مند تو ہے وہ...؟" ہاجرہ بیگم نے فوراً پینترا بدلا۔

"یہی بات تو ہم آپ کو سمجھاتے ہیں' خیر آپ داد بخش کی زندگی کے لیے دعا کیجیے۔ لیکن دل سے۔" نگار کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہسپتال میں گاؤں کا بہت سے لوگ جمع تھے اور ہر زبان پہ داد بخش کی زندگی کے لیے دعا تھی۔ جیسے ہی سردار بیگم ہسپتال پہنچیں وہ سب ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور احترام سے سلام کیا تھا۔

"داد بخش کہاں ہے؟" انہوں نے ان سب کے چہروں کو بغور دیکھا' کسی انہونی کے ڈر سے...!

"اندر آپریشن تھیٹر میں ہے' ڈاکٹر گولی نکال رہے ہیں۔" بشیر النہار فکر مندی سے بولا۔

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"وہ تو جی ڈاکٹر تو تسلی ہی دیتے ہیں۔"

"گولی کہاں لگی تھی؟"

"سینے کے اوپر' کندھے کے قریب لگی تھی...." بشیر النہار داد بخش کے لیے حد سے زیادہ پریشان ہو رہا تھا۔

"اللہ خیر۔" وہ بے ساختہ کہتی قریب پڑی بینچ پہ بیٹھ گئی تھیں۔

"تائی بیگم! داد بخش کیسا ہے؟" قاسم علی راہداری عبور کرتا ان کے قریب آ گیا تھا۔

"تمہیں پتہ چل ہی گیا ہو گا کہ داد بخش کیسا ہے؟" سردار بیگم نے کمزور سے لہجے میں کہتے ہوئے اپنے نواسے کو دیکھا۔

"لیکن یہ سب کس نے کیا ہے؟ گولی مارنے والا کون تھا آخر؟" قاسم علی نے وہی سوال کیا جو باقی سب کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"گولی مارنے والا ابھی ہم میں سے ہی تھا قاسم علی!" سردار بیگم کے پتھریلے لہجے پہ قاسم علی چونک گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تائی بیگم؟"

"مطلب میں تمہیں پولیس کے سامنے بتاؤں گی' پولیس کو فون کرو' ابھی تک پولیس پہنچی کیوں نہیں؟" سردار بیگم دل میں کچھ ٹھان چکی تھیں۔

"لیکن تائی بیگم!"

"تم سے جو کہا ہے وہ کرو۔" وہ اس وقت کسی بحث و تکرار کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"میں ابھی فون کرتا ہوں۔" قاسم علی اپنی تائی بیگم

digestpk.blogspot.com

Asif Zameel

جاتی تو وہ برداشت نہیں کرتی تھیں اور اگر کسی کی بات یا کام میں دیر سویر برداشت کرتی تھیں تو وہ صرف داد بخش ہی تھا۔

اس نے فون کیا تو پتہ چلا کہ پولیس کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی ڈاکٹر صاحب نے پولیس کو اطلاع دی تھی کیونکہ یہ سراسر پولیس کیس تھا..... اور واقعی چند منٹوں بعد پولیس وہاں پہنچ گئی تھی۔

"آپ کی کسی سے کوئی دشمنی ہے کیا؟" ایس ایچ او نے قاسم علی سے پوچھ گچھ کی۔

"نہیں سر! ہماری کسی سے کوئی دشمنی۔"

"ہماری دشمنی ہے انسپکٹر صاحب اور دشمن کو میں اچھی طرح جانتی ہوں آپ نام لکھو' میں لکھواتی ہوں۔" سردار بیگم اٹھ کر پاس آگئیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" قاسم کو حیرت ہوئی تھی۔

"میں جو کہہ رہی ہوں وہ ٹھیک کہہ رہی ہوں انسپکٹر صاحب لکھو نام" انہوں نے اشارہ کیا اور پھر اپنے دشمن کا نام اور ولدیت درج کروائی تھی۔

قاسم ان کے منہ سے دشمن کا نام سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ اسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

"مجرم آج شام سے پہلے پہلے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے' ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گی" انہوں نے وارننگ دی تھی اور منہ [illegible] پلٹ کر آپریشن تھیٹر کے باہر رکھے بنچ پہ جا کر بیٹھ گئی تھیں اور قاسم علی بس دیکھتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دعا کرو اللہ میرے بیٹے کے سوئے ہوئے بھاگ جگاوے۔" سردار بیگم نے بڑی آس' بڑی حسرت سے کہا تھا اور وہ عورت ان کے چہرے کو دیکھنے لگی تھی۔

یہ عورت سردار بیگم کی حویلی کے باہر بھیک مانگنے آئی تھی۔ ملازمہ نے اسے پیسے دینے تو بولی۔

"اپنی بیگم صاحبہ سے کہو' میں دو دن سے بھوکی ہوں دو دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا ہے مجھے کھانا کھلا دیں' میری بھوک سے تڑپتی آنتیں انہیں دعا دیں گی۔"

سردار بیگم اس وقت وہیں کھڑی پودوں کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے سنا تو اس بوڑھی عورت کو اندر بلا لیا اور ملازمہ کو کھانا لانے کے لیے کہا۔

"اللہ تیری حویلی آباد رکھے بیگم صاحب!" اس عورت نے کھانا کھانے کے بعد جھولی پھیلا کر دعا دی تھی لیکن سردار بیگم کے دل میں تو بس ایک ہی حسرت تھی اللہ ان کے بیٹے کو صاحب اولاد کرے۔

"اللہ تیرے بیٹے کے بھاگ جگائے گا اور ضرور جگائے گا یہ اک فقیرنی کی دعا ہے اللہ تیری حویلی کو ہرا بھرا رکھے تجھے پوتے پوتیوں کی خوشیاں دکھائے۔"

"مائی شام ہو رہی ہے' تو حویلی میں رک جا۔" سردار بیگم نے اس عورت کو روکنا چاہا۔

"بیگم صاحب! فقیر مسافر ہوتا ہے اور مسافر کہیں رکتا نہیں ہے' چلتا ہی جاتا ہے تو نے میرے پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کیا ہے اللہ تیرے دل کو ٹھنڈا کرے گا۔" وہ فقیرنی سردار بیگم کو دعائیں دیتی ہوئی حویلی سے نکل گئی تھی۔

☼

"کیا ہوا ہے بے بے جان؟" ولی محمد اندر زنان خانے میں چلا آیا۔

"اس بوڑھی عورت نے تیرے لیے دعا کروائی ہے' اللہ تجھے اولاد جیسی نعمت عطا کرے۔ اس حویلی کے سونے آنگن میں بچوں کی آوازیں گونجیں۔" سردار بیگم بیٹے کے لیے دعائیں کرتی نہیں تھکتی تھیں۔

"انشاء اللہ وہ آپ کی دعائیں ضرور سنے گا۔" ولی محمد اپنی ماں کے دلی جذبات سے بخوبی واقف تھے۔

"بیٹا چھ سال ہو گئے ہیں دعائیں کرتے کرتے اب تو دعائیں بھی تھکنے لگی ہیں۔" سردار بیگم اداس ہو گئیں۔

(ا)رکے [illegible] ہوتے اللہ سے اچھے کی امید رکھنی چاہیے۔" ولی محمد نے ماں کو بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"اس حویلی کا صرف تو ہی وارث ہے اور تیرا دامن اولاد سے خالی دیکھ کر کلیجے سے ہوک اٹھتی ہے ساجدہ اور راشدہ بھی تو ہیں نا؟ وہ دو تین تین بچے ہیں ان کے' قاسم چار سال کا اور میر تین سال کا ہو رہا ہے۔" سردار بیگم کو اپنی بیٹیاں اور ان کے بچے یاد آگئے۔

"مجھے احساس ہے اماں بیگم! لیکن اللہ کے ساتھ کوئی زور زبردستی تو نہیں کی جا سکتی ناں' وہ اپنی مرضی کا مالک ہے' جو اس کی رضا وہ ہمارا نصیب۔"

"اماں بیگم! آپ کی نظر میں' میں آپ کی مجرم ہوں ناں؟ آپ کو خوشیوں کے رستے کی رکاوٹ۔" رابعہ بی بی ان کے سامنے آگئی۔ وہ ان کی باتیں سن چکی تھی۔

"اماں بیگم! آپ کو اگر کسی اور بطن سے اپنی آنے والی نسل کا وارث ملتا ہے تو ٹھیک ہے آپ لے آئیں۔"

رابعہ بی بی [illegible] کے ساتھ [illegible] بھی حیران رہ گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بہو؟"

"ہاں اماں بیگم! میں اپنی خوشی کے لیے آپ کی خوشیاں ملیامیٹ نہیں کر سکتی اور یہ صرف خوشی ہی نہیں پوری نسل کا معاملہ ہے۔ اپنا نام و نشان تو کوئی بھی مٹانا نہیں چاہتا؟"

رابعہ بی بی سچ کہہ رہی تھی اس کے سر پہ ہمہ وقت ولی محمد کی دوسری شادی کا خوف سوار رہتا تھا وہ بھلا کب تک یوں ڈر ڈر کے جی سکتی تھی۔

"لیکن ہم نے کبھی تمہیں تو الزام نہیں دیا نہ ہی کبھی تمہیں رکاوٹ سمجھا ہے' ہم نے تو اپنے اللہ ہی سے مانگا ہے۔ وہی رب ہے سب کی سننے والا اور سب کو دینے والا۔"

سردار بیگم صحیح کہہ رہی تھیں' انہوں نے کبھی بھی اس چیز کے لیے رابعہ بی بی کو مجرم نہیں سمجھا تھا۔

"عورتیں واقعی جذباتی اور جلد باز ہوتی ہیں' اتنی

[illegible] ہے۔"

ولی محمد نے دونوں کو سمجھایا تھا اور وہ تھوڑی دیر کے لیے سمجھ بھی گئی تھیں۔ فقط تھوڑی دیر کے لیے

☼ ☼ ☼

سردار محمد اور نواز محمد صرف دو ہی بھائی تھے۔ ماں باپ نے زمینوں کا بٹوارہ کرنے کے ساتھ گاؤں کا اور حویلیوں کا بٹوارہ بھی اپنی زندگی میں ہی کر دیا تھا۔ بڑی حویلی سردار محمد کے نام اور چھوٹی حویلی نواز محمد کے نام کی تھی۔ بڑی حویلی گاؤں میں داخل ہوتے ہی بڑی شان سے سربلند کھڑی نظر آتی اور چھوٹی حویلی گاؤں کے دوسرے کونے میں واقع تھی۔

اسی طرح گاؤں کی دائیں طرف کی زمینیں سردار محمد کی ملکیت تھیں اور بائیں طرف کی زمینیں نواز محمد

[illegible] باپ نے بٹوارہ کچھ اس انصاف سے کیا تھا کہ دونوں بھائیوں کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی اور اپنے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہ اپنی اپنی حویلیوں میں خوشحال اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ سردار بڑے تھے اس لیے گھر میں گھر سے باہر اپنے گاؤں اور آس پاس کے علاقے میں بھی انہی کی زیادہ عزت کی جاتی تھی زیادہ واقفیت اور جان پہچان بھی لوگوں کے ساتھ انہی کی تھی۔

سردار محمد بہت اصول پرست اور انصاف پسند آدمی تھے۔ حق اور سچ بات کا ساتھ دیتے تھے۔ کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی تھی انہوں نے۔ کبھی اپنے بیٹے کو بھی بیٹیوں پہ ترجیح نہیں دی تھی۔ کبھی بیٹے اور بیٹیوں میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا' یہی وجہ تھی کہ ان کے اکلوتے بیٹے ولی محمد نے کبھی ضد نہیں کی تھی جو کہتے مان لیتا اور ہاں تو ساجدہ بھی لیتی تھی بس راشدہ کی فطرت میں تھوڑی ضد اور ہٹ دھرمی تھی۔ لیکن اسے بھی ہینڈل کر لیتے تھے۔ لیکن کسے خبر تھی کہ اپنے بچوں کو بچپن میں ہی چھوڑ کر دنیا سے رخصت

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

سردار محمد کی ہارٹ اٹیک سے ہونے والی اچانک اور ناگہانی موت نے ان کی بیوی سعادت النساء کو گم صم کر کے رکھ دیا تھا۔۔۔ تین بچوں کا ساتھ 'بھری جوانی' اور لمبا سفر؟ تینوں ذمہ داریاں ہی بڑی کڑی اور بڑی کٹھن تھیں۔۔۔ انہیں حوصلہ چاہیے تھا اور حوصلہ انسان کو وقت اور حالات خود بخود سونپ دیتے ہیں۔۔۔

سو وہ بھری جوانی میں بیوگی کی چادر اوڑھ کر اس طویل سفر پہ اپنے بچوں کے ہمراہ چل پڑیں۔۔۔ اپنے دیور نواز محمد کا سہارا لیتیں تو کل کو ہزاروں افسانے رقم ہو جاتے جبکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی زبانوں کی زینت نہیں بنا سکتی تھیں۔ انہیں اپنی ہی نہیں اپنے مرحوم شوہر کی عزت بھی بہت عزیز تھی اور اسی عزت اور وقار کے لیے انہوں نے جوانی کی مسافت اکیلے طے کی تھی اور ہمیشہ اپنے آپ کو "سردار بیگم" کہلوایا تھا۔ رشتہ داروں' جاننے والوں اور گاؤں والوں کے لیے جتنے سردار محمد خود اہم تھے اتنی ہی ان کی بیگم "سردار بیگم" اہم تھیں لوگ ان کا اصل نام تقریباً بھول گئے تھے تب ہی ان کے حکم پہ انہیں سردار بیگم ہی کہتے تھے۔۔۔ اولاد جوان ہوئی تو ان کی شادیوں کی فکر نے آن گھیرا۔

ساجدہ کی شادی نواز محمد کے بیٹے کے ساتھ طے تھی۔ سردار بیگم کا ارمان تھا کہ وہ پہلے بیٹے کی شادی کریں لہٰذا انہوں نے بیٹیوں کے فرض سے فارغ [illegible] پہلے ولی محمد کے لیے رابعہ کا انتخاب کیا تھا۔ رابعہ ساتھ والے گاؤں کے چوہدری کریم اللہ کی بیٹی تھی اور ولی محمد کو پسند بھی تھی سو انہوں نے ذرا دیر نہ کی اور رابعہ کو بیاہ لائیں۔

ولی محمد اور رابعہ کی شادی کے بعد اب بیٹیوں کی باری تھی لیکن راشدہ شادی کے لیے نہیں مان رہی تھی ہزاروں جتن کے بعد پتہ چلا کہ راشدہ کسی کو پسند کرتی ہے۔۔۔ وہ کسی مل اونر کا بیٹا تھا اور راشدہ کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔۔۔ اس مقام پہ آ کر سردار بیگم کو دھچکا تو لگا لیکن انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔۔۔ وہ مخالفت کرتیں تو یقیناً 'بیٹی ہاتھوں سے نکل جاتی اور سارا الزام ان کی پرورش پہ آتا اور ہمیشہ کے لیے داغ لگ جاتا۔۔۔ لہٰذا انہوں نے سمجھ داری سے کام لیا اور راشدہ کو اپنی مرضی سے اس کی پسند کے ساتھ رخصت کر دیا۔

ولی محمد کو اعتراض تو ہوا لیکن ماں کے سامنے وہ کچھ بول نہ سکے۔

دونوں بیٹیاں اپنے اپنے گھر کی ہو چکی تھیں' دونوں کے بچے تھے اپنے گھروں میں خوش و خرم زندگی گزار رہی تھیں انہیں راشدہ کے شوہر اور سسرال والوں کی طرف سے جو خدشے تھے وہ ان پانچ چھ سالوں میں ختم ہو چکے تھے۔۔۔ لیکن ولی محمد کی طرف اولاد کی کمی دیکھ دیکھ کر ان کا دل کڑھتا ہی رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

گاؤں میں میلہ لگا ہوا تھا ہر طرف طرح طرح کے لوگ نظر آ رہے تھے۔

"آپ کو کچھ لینا ہے سردار بیگم؟" ان کی ملازمہ رکھی نے پوچھا تو سردار بیگم چونک گئیں۔

"نہیں مجھے بھلا کیا لینا ہے؟ تم کچھ لینا چاہتی ہو تو لے لو۔" سردار بیگم کہہ کر آگے بڑھ گئیں [illegible] وہیں کھڑی [illegible] بچے [illegible] ساتھ [illegible] بھی مار رہے تھے رکھی بھی رجائی کے لیے چوڑیاں اور پراندے دیکھنے لگی۔

"چپ ہو جا بدنصیب اب روتا کیوں ہے؟" وہ دونوں اس قدر کرخت آواز پہ ٹھٹکنے پہ مجبور ہو گئی تھیں۔۔۔ وہ شاید دربار کا مجاور تھا جو اس بچے کو بری طرح جھڑک رہا تھا جبکہ وہ بچہ زارو قطار رو رہا تھا۔

"تم اسے کیوں مار رہے ہو؟" سردار بیگم رہ نہ سکیں اور مزار کے برآمدے کے اس کونے میں چلی آئیں جہاں وہ بچہ رو رہا تھا۔

"یہ اس کا نصیب ہے بیگم صاحبہ!" مجاور ان کو دیکھ کر فرش سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"نصیب؟" وہ کچھ نہ سمجھیں۔

[illegible] بیگم صاحبہ یہ لاوارث ہے۔" مجاور رکھائی سے بولا لیکن اس کا جملہ سردار بیگم کے دل میں نیزے کی انی کی مانند پیوست ہو گیا تھا۔

"پچھلے میلے میں ایک آدمی اسے لے کر آیا تھا کچھ دیر اسے لے کر میلے میں پھرتا رہا پھر اسے دربار کے اندر بٹھا کر خود کوئی چیز لینے کے بہانے باہر گیا اور پلٹ کر دوبارہ واپس نہیں آیا۔ آس پاس کے سارے گاؤں میں اعلان کروائے ہیں کہ اگر کسی کا بچہ گم ہوا ہے تو آ کر نشانی بتا کے لے جائیں لیکن تب بھی کوئی نہیں آیا۔۔۔ ایک گاؤں کا آدمی بتا رہا تھا کہ اس بچے کے ماں باپ مر چکے ہیں پچھلے دو سال سے اپنے ماموں اور مامی کے پاس تھا مامی کافی بدمزاج عورت ہے اور اس کی نفرت اور ظلم و تشدد سے تنگ آ کر اس کا ماموں اسے یہاں چھوڑ گیا ہے اور خود بیوی بچوں کو لے کر گاؤں سے ہی چلا گیا ہے۔ شاید اس بچے کے نام کوئی گھر اور زمین بھی تھے جسے بیچ کر وہ بھاگ گئے تھے اور [illegible] سے رو رو کر ہلکان ہو گیا [illegible] رات [illegible] بٹھاتے ہوئے [illegible] لیکن یہ چپ ہی نہیں [illegible] سمجھا بس روئے جا رہا ہے۔"

"تم اسے بدنصیب نہ کہو کس کی قسمت میں کیا لکھا ہے یہ ہمیں کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟" سردار بیگم نے اس بچے کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔

"اس کی قسمت ہی تو اسے یہاں لے کر آئی ہے بیگم صاحبہ!" مجاور کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"اور اس کی قسمت ہی اسے کہیں اور لے جائے گی۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

"یہ میرے ساتھ جائے گا میرے گھر' میری حویلی میں۔" سردار بیگم کا لہجہ اٹل تھا۔

"مبارک بیگم صاحبہ! مبارک تیرے بھاگ جاگ گئے ہیں۔ آج" آج اللہ نے تیری جھولی بھر دی" تیری مراد پوری ہو گئی ہے تو نے اک یتیم اور لاوارث کے سر پہ ہاتھ رکھا ہے اللہ تجھے وارث دے گا" جا سکھی رہ" ان کے قریب ہی ان کی باتیں سنتی وہ بوڑھی عورت اٹھ کر خوشی سے دھمال ڈالنے لگی تھی۔ سردار بیگم نے چونک کر دیکھا یہ وہی فقیرنی تھی جو چند دن پہلے ان کی حویلی میں کھانا کھانے آئی تھی۔

"جا اسے اپنے ساتھ لے جا۔" وہ فقیرنی خوشی خوشی کہہ رہی تھی۔

"آپ خوش قسمت ہیں بیگم صاحبہ' آپ کو یہ فقیرنی دعا دے رہی ہے ورنہ اس کے منہ سے سالوں کوئی دعا نہیں نکلتی۔" اس مجاور نے حیرانی اور خوشی سے کہا تھا۔

"چلو میرے بچے میرے ساتھ چلو۔" سردار بیگم نے اس بچے کا ہاتھ تھام لیا۔ سردار بیگم کے انداز میں اتنی محبت اور اپنائیت کا احساس تھا کہ وہ خاموش ہو گیا تھا۔۔۔ وہ اسے بہلاتی ہوئی گاڑی تک لے آئی تھیں اور گاڑی میں بیٹھ کر ان کی نظریں بھی حلوائی کے کھوکھے کی سمت اٹھی تھیں۔

"رکھی یہ لے پیسے اور جلیبیاں لے کر آ۔" انہوں نے پیسے نکال کر رکھی کو دیے۔۔۔

"کتنی؟"

"دس کلو لے آ تو۔" انہوں نے کہا اور سیٹ پہ اپنے قریب بیٹھے بچے کو اپنے قریب کر لیا تھا۔۔۔

"چپ ہو جاؤ شاباش' تمہیں رونے کی اور ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تم اب میرے بیٹے ہو۔" سردار بیگم نے اس کا سر تھپکا پھر کچھ خیال آنے پہ ٹھٹک گئیں۔

"بیٹا! تمہارا نام کیا ہے؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"وا... والو بخش!" سسکیوں کی وجہ سے اس نے اٹک اٹک کر بتایا تھا۔ "ماشاء اللہ نام تو بہت ہی پیارا ہے۔"

"اپنے ابا کا نام یاد ہے؟"

"جی ان کا نام خدا بخش تھا۔"

"اور ماں کا نام؟"

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"سکینہ بی بی۔"
"ہوں کافی سیانے ہو۔" وہ ہلکے سے مسکرائیں۔
اتنے میں رکھی جلیبیاں لے کر آگئی اور سردار بیگم نے ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا حکم دیا وہ تمام راستے داد بخش سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی ہوئی آئی تھیں تاکہ اس کا موڈ زائل ہو جائے!

* * *

"یہ کون ہے اماں بیگم؟" ولی محمد اپنی ماں کے ساتھ سات سالہ بچے کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
"یہ داد بخش ہے' میرا بیٹا بھی اور میرا پوتا بھی۔" انہوں نے قطعیت سے کہا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ یہ تیرا بھائی بھی ہے اور بیٹا بھی۔" سردار بیگم نے بیٹے کو سمجھایا۔
"مگر کچھ پتہ تو چلے کہ کون ہے؟"
"بتاتی ہوں ابھی بتاتی ہوں' رکھی! تو اسے اپنے ساتھ کچن میں لے جا اور اسے اچھا سا کھانا کھلا۔" انہوں نے اسے رکھی کے حوالے کیا۔
اور داد بخش کے بارے میں جان کر اسے بھی افسوس ہوا تھا اور ماں کے فیصلے پہ تھوڑی پریشانی بھی ہوئی تھی۔
"اگر کل کو کوئی مسئلہ کھڑا ہو گیا؟" اس نے سردار بیگم کو کہا۔
"کیسا مسئلہ؟"
"کہیں سے اس کے وارث پیدا ہو گئے تو؟ میرا مطلب ہے کہ اس کے وہی ماموں اور ممانی کہیں سے آگئے تو پھر آپ کیا کریں گی؟" ولی محمد نے ماں کو ممکنہ باتوں سے آگاہ کیا۔
"پھر کی پھر دیکھی جائے گی اور اگر اس کے ماموں اور ممانی آگئے تو وہ حشر کروں گی کہ واپسی کا رستہ بھی بھول جائیں گے' کم بختوں نے اس معصوم پہ اتنے ظلم کیے' بہن ماں باپ کا بچہ تھا انہیں ترس بھی نہیں آیا؟" ان کے عزائم بڑے خطرناک تھے ولی محمد بے ساختہ مسکرا اٹھا۔
"ایک خوش خبری ہے آپ کے لیے؟"
"خوشخبری؟" سردار بیگم کا دل دھڑکا۔ "کیسی خوشخبری؟ جلدی بتاؤ۔"
سردار بیگم نے بیٹے کا ہاتھ تھام لیا تھا اور ولی محمد وہیں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔
"اماں بیگم! آپ دادی بننے والی ہیں' ابھی ابھی گاؤں کے ہسپتال کی لیڈی ڈاکٹر بتا کر گئی ہے۔" ولی محمد ان کے دونوں ہاتھ تھام کر عقیدت سے چومتے ہوئے بولا تھا۔
وہ اللہ کے حضور سجدے میں گر گئی تھیں آج اللہ نے واقعی ان کے اور ان کے بیٹے کے بھاگ جگا دیے تھے آج ان کی جھولی بھر گئی تھی ان کی مراد پوری ہو گئی تھی انہیں اس فقیرنی کی دعائیں اور باتیں فوراً یاد آگئی تھیں۔
"رکھی سب کا منہ میٹھا کرواؤ۔" انہوں نے رابعہ بی بی کے سر سے پیسے وار کر دیتے ہوئے کہا تھا پھر رابعہ بی بی کو اپنے گلے لگایا۔
"یہ کون ہے؟ یہ میرا داد بخش ہے [illegible]" نے اٹھے [illegible] خواتین [illegible] بہو کی [illegible] انہیں مبارک دینے آئی تھیں کہ سردار بیگم کی بہو امید سے ہوگئی ہے اور سردار بیگم نے سب کو مٹھائی دے کر رخصت کیا تھا اور سب سے داد بخش کا تعارف بھی کروایا تھا۔ واپسی پہ سب ہی عورتوں کی زبان پہ داد بخش کا ہی ذکر تھا!

* * *

"مہپانو کا کیا مطلب ہے سردار بیگم؟" رابعہ بی بی کے ہاں بچی کی ولادت ہوئی تھی اور سردار بیگم نے پوتی کا نام مہپانو رکھا تھا لیکن چھوٹے سے داد بخش کو مہپانو کا نام بہت ہی اچھا لگا تھا اسی لیے مطلب پوچھ بیٹھا۔
"مہپانو کا مطلب ہے 'الفت والی' محبت والی یعنی پیار کرنے والی اپنائیت رکھنے والی۔" انہوں نے داد

بخش کو مسکرا کر مطلب بتایا۔
بیڈ پہ رابعہ بی بی کے سامنے کمبل میں لپٹی ہوئی تھی۔ "اٹھانا چاہتے ہو تو اٹھالو۔" انہوں نے اجازت دی۔
"نہیں یہ گر جائے گی۔" اس نے انکار کر دیا اور رابعہ بی بی ہنس پڑیں۔
"بہت سمجھ دار اور سیانا ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" سردار بیگم نے اس کی بلائیں لے ڈالیں۔
داد بخش ان کے لیے واقعی خوش قسمت ثابت ہوا تھا۔ مہپانو کی پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی رابعہ بی بی پھر امید سے ہو گئیں اور سردار بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا اور یہی حال ولی محمد کا بھی تھا۔ وہ لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتے تھے دوسری بیٹی بھی آپریشن سے پیدا ہوئی تھی۔ اب صرف تیسرے آپریشن کی گنجائش تھی۔
سردار بیگم اس بار بھی پوتی کی پیدائش [illegible] تھیں [illegible] کی ایک [illegible] امید [illegible] انہوں [illegible] مہرماہ رکھا تھا۔
"مہرماہ کا کیا مطلب ہے سردار بیگم؟" داد بخش نے ان سے پوچھا تھا۔
"مہر کا مطلب ہے محبت اور ماہ کا مطلب ہے 'چاند' جیسے مہتاب' عثمانیہ سلطنت کے دسویں حکمران سلطان سلیمان کی اکلوتی صاحبزادی کا نام مہرماہ سلطان تھا' تم محبت کا چاند بھی کہہ سکتے ہو۔"
نو سالہ داد بخش ان کی بات بڑے غور سے سن رہا تھا اور نظریں سردار بیگم کی گود میں سوئی پانچ دن کی مہرماہ پہ تھیں۔ وہ رابعہ بی بی کو آج ہی ہاسپٹل سے ڈسچارج کروا کے لائی تھیں۔ ایک سالہ مہپانو بھی ہمک ہمک کر چھوٹی سی مہرماہ کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔
"یہ لو دیکھ لو۔" انہوں نے مہرماہ کو ان دونوں کے سامنے کر دیا اور وہ خوش خوش اسے دیکھنے لگے۔ داد بخش ان سے پیار کرتا تھا مگر کبھی اٹھانے کی اور ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ڈرتا تھا کہ ان بچیوں کو چوٹ لگ گئی تو سب خفا ہوں گے سو وہ ان سے دور دور رہتا تھا۔

* * *

رابعہ بی بی تیسری بار امید سے ہوئیں تو ولی محمد اور سردار بیگم سراپا دعا بن گئے تھے' لیکن شاید دعاؤں کی قبولیت کی گھڑی ابھی نہیں آئی تھی' اللہ نے اس بار پھر انہیں بیٹی جیسی رحمت عطا کی تھی اور ڈاکٹرز نے تیسرے آپریشن کے بعد کسی اور بچے کی گنجائش کو ختم کر دیا تھا گویا سردار بیگم کی آس ختم کر ڈالی تھی۔
ولی محمد بھی چپ سا تھا۔ اسے بیٹی کی پیدائش کا کوئی افسوس نہیں تھا لیکن بیٹے کی کمی تھی اک کسک اک حسرت بن گئی تھی۔ بیٹا ان کی حویلی اور جائیداد کے لیے ضروری تھا۔ ولی محمد بہت چھوٹا تھا جب باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا اور پھر یہ جاگیرداری خود سردار بیگم کو سنبھالنی پڑ گئی تھی۔ اور اس جاگیرداری کو سنبھالنے کے لیے انہوں نے بڑے پاپڑ بیلے تھے بڑا کٹھن وقت گزارا تھا۔ اب یہ ساری جائیداد دامادوں کے ہاتھ میں چلی جانی تھی۔
"اماں بیگم! کیا سوچ رہی ہیں؟" ولی محمد نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"سوچ رہی ہوں اللہ میری پوتیوں کے نصیب اچھے کرے۔" انہوں نے مہرنگار کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔
"آمین!" ولی محمد نے دل کی گہرائیوں سے آمین کہا تھا۔
"مہرنگار کا کیا مطلب ہے سردار بیگم؟" داد بخش اس بار بھی اپنا سوال نہیں بھولا تھا۔ سردار بیگم دل کھول کے ہنسی تھیں۔
"مہرنگار کا مطلب ہے پیار کا نقش یعنی محبت کا نشان' محبت کی علامت۔" انہوں نے داد بخش کا گال تھپکتے ہوئے کہا تھا۔
"یہ گڑیا بھی بہت پیاری ہے۔"
"تم گڑیا کو اٹھاتے کیوں نہیں ہو؟"
"رجائی کہتی ہے گڑیا کو اٹھاؤں گا تو گڑیا گر جائے گی

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

اور اسے چوٹ لگے گی۔" داد بخش نے اپنے گریز کی وجہ بتائی۔

"تم احتیاط سے اٹھاؤ گے تو نہیں گرے گی۔" سردار بیگم نے اسے تسلی دی تھی۔ "نہیں سردار بیگم! مجھ سے گر جائے گی۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ تو ولی محمد ہنس دیا تھا۔

✿ ✿ ✿

بالآخر بیٹے کی کمی نے انہیں اس دوراہے پہ لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک آخری فیصلہ کرنا ہر جاگیردار کی مجبوری بن جاتی تھی۔ رابعہ بی بی بھی ان کی مجبوری سمجھتی تھیں سو انہوں نے دل بڑا کرتے ہوئے ولی محمد کو شادی کی اجازت دے دی تھی۔۔۔ سردار بیگم خود ایک عورت تھیں عورت کے جذبات بخوبی سمجھتی تھیں انہوں نے رابعہ بی بی کی دل آزاری کے خیال سے کبھی بھی ولی محمد پہ دوسری شادی کے لیے دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ ان کی اجازت پہ سردار بیگم کو بڑی حیرانی ہوئی تھی۔

"یہ کیا کیا رابعہ بی بی؟" آج انہوں نے حیرت کے مارے ان کو نام سے پکارا تھا۔

"اس حویلی کے وارث کی خواہش تو مجھے بھی ہے اماں بیگم!" رابعہ بی بی نے اپنی نم آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا تھا اور سردار بیگم کو رابعہ بی بی [illegible] اور صبر پہ بیک وقت پیار اور ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"ان شاء اللہ اس حویلی میں تمہاری حیثیت اور مرتبے میں کوئی کمی نہیں آئے گی جو مقام آج ہے وہی ہمیشہ رہے گا اللہ تمہیں خوش رکھے آباد رکھے۔" انہوں نے رابعہ بی بی کو ساتھ لگا کر ڈھارس بندھائی تھی اور پھر رابعہ بی بی کی رضامندی سے چند دن بعد ہی سردار بیگم اپنی بہن راشدہ کی نند ہاجرہ کو بیاہ لائی تھیں۔

ہاجرہ شہری پڑھی لکھی لڑکی تھی اس ماحول میں ذرا مشکل سے ہی ایڈجسٹ ہو پائی تھی اسے حویلی کی بہت سی چیزوں اور بہت سے لوگوں سے اعتراض ہوا تھا لیکن مقابل سردار بیگم تھیں جن کے سامنے کوئی اعتراض نہیں چل سکتا تھا آگے پیچھے وہ کافی ناک بھوں چڑھاتی رہتی تھیں لیکن سردار بیگم سامنے آ جاتیں تو وہ تیر کی طرح سیدھی ہو جاتی تھیں البتہ جب وہ ان سے ہوتیں تو ان کے ناز نخرے دیکھنے والے ہوتے تھے۔

✿ ✿ ✿

ولی محمد کی ایکسیڈنٹ سے ہونے والی موت سردار بیگم کو ساکت و صامت کر گئی تھی۔ اپنی جوانی میں اپنے شوہر کی موت کا صدمہ اور بڑھاپے میں جوان بیٹے کی موت کا صدمہ۔۔۔ ان کو جیتے جی مار گیا تھا اور بعینہ رابعہ بی بی اور ہاجرہ بیگم کا بھی برا حال تھا ولی محمد جو بیٹے کے لیے عرصے سے خواہش مند تھا اس بیٹے کی شکل بھی نہ دیکھ سکا۔

ولی محمد کی وفات کے دس دن بعد ہاجرہ کے ہاں بیٹے نے جنم لیا تھا اور سردار بیگم ولی محمد کے وارث کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کے روئی تھیں۔ اتنا کہ دیکھنے اور سننے والوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ ان کے گھر کی ہر آنکھ اشک بار تھی اور ہر دل میں افسوس تھا۔ سردار بیگم کے ارمان دل میں ہی رہ گئے تھے۔ وہ اپنی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہونے والے پوتے کی خوشی کوئی جشن بھی نہیں منا سکی تھیں [illegible] حصہ غم [illegible] سے [illegible] اور [illegible] تھا۔

غم بھی ادھورا اور خوشی بھی ادھوری۔۔۔ کون سا احساس کس پہ حاوی تھا کچھ احساس ہی نہیں تھا کچھ خبر ہی نہیں تھی۔۔۔ لیکن یہ زندگی تھی یہاں ہر غم اور ہر خوشی ساتھ لے کر جینا تھا ان کا بیٹا انہیں کچھ ذمہ داریاں سونپ گیا تھا اور ان ذمہ داریوں کو نبھاتے نبھاتے کتنا وقت گزر گیا؟ کوئی پلٹ کر دیکھتا تو پتا چلتا!

✿ ✿ ✿

مسجد سے فجر کی اذان کی آواز بلند ہوئی تو اس کی نیند خود بخود کہیں بیچ راستے میں ہی رہ گئی تھی وہ خوابوں کے سفر سے واپس لوٹ آیا تھا۔ چہرے سے کمبل ہٹا کر دیکھا تو کمرے میں وہی نیلے رنگ کی مدھم سی روشنی دکھائی دی تھی جو روزانہ آنکھ کھلنے پہ نظر آتی تھی۔

یہ اس کے پسندیدہ زیرو بلب کی روشنی تھی وہ دن بھر کی تھکن کے بعد جب اپنے بستر پہ لیٹتا تھا اس مدھم ٹھنڈی میٹھی روشنی میں اسے فوراً ہی نیند آ جاتی تھی۔ وہ ہاتھ سے لیمپ کا بٹن دبا کر لیمپ آن کرتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

چند منٹوں بعد وضو کر کے گرم چادر کندھوں پہ اوڑھتا ہوا کمرے سے نکل آیا تھا اپنے کمرے کی طرف آنے والی طویل راہداری عبور کر کے وہ لوہے کی جالی سے بنے دروازے تک پہنچا اور دروازہ دھکیل کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اس کے کمرے کی طرف جانے والی راہداری کا دروازہ ڈرائنگ روم میں کھلتا تھا اور اس طرف باقی سب کی آمد و رفت بہت کم ہوتی تھی الگ تھلگ سا کمرہ اس نے خود اپنے لیے انتخاب کیا تھا حالانکہ سردار بیگم کو خاصا اعتراض ہوا تھا لیکن اس نے وجہ بتا کر انہیں مطمئن کر دیا تھا [illegible] ہوا ہوتا ہے اور حویلی [illegible] ہے اور وہ ٹھیک [illegible]

حویلی سے گاؤں کی مسجد تک وہ روزانہ صبح پیدل ہی جاتا تھا اور اس کے قدموں میں تیزی ہوتی تھی کہ کہیں جماعت نہ نکل جائے۔

"السلام علیکم چاچا!" اس نے سب سے پہلے گزرنے والے بشیرے لوہار کو احتراماً سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! آ جاؤ پتر' وضو کر کے آئے ہو؟"

"ہاں چاچا! میں وضو حویلی سے ہی کر آیا ہوں۔"

"اچھا کیا ہے' یہاں باری ہی کب ملتی ہے؟" وہ مسکرا کر بولے۔

"تمہاری دادی کیسی ہے؟ طبیعت ٹھیک ہوئی ان کی؟" داد بخش اپنی جیب سے سفید کروشیے سے بنی ٹوپی نکال کر پہنتے ہوئے بولا۔

"اللہ کا شکر ہے چاچا! کافی بھلی چنگی ہو گئی ہے اب۔" وہ ان کے ساتھ اندر آ گئے۔

نماز کے بعد وہ تقریباً ایک گھنٹہ مسجد میں بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا واپس حویلی آتا تو وہاں کتنی ذمہ داریاں اس کی منتظر ہوتیں۔

"داد بخش!" وہ حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوا ہی تھا کہ اسے مہپارو کی آواز سنائی دی۔

"جی مہپارو بی بی؟" وہ سراپا سماعت بن گیا تھا۔

"کل مہپارو کے کپڑے ٹیلر سے لے آئے تھے؟" مہپارو لان میں کھڑی تھی جب گیٹ سے اندر داخل ہوتے داد بخش کو دیکھ کر اسے مہپارو کا ہنگامہ یاد آ گیا۔

"جی لے آیا تھا۔"

"تھینک گاڈ' جاؤ جا کر دو اسے' اس نے اندر ہنگامہ مچا رکھا ہے۔" مہپارو نے شکر کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ داد بخش کے گیراج میں کھڑی گاڑی کی سمت آیا تھا اور گاڑی کا بیک ڈور کھول کر پچھلی سیٹ پہ رکھا کپڑوں سے بھرا ہوا شاپر نکال کر اندر چلا گیا۔

"داد بخش! شکر ہے تم آ گئے' اس لڑکی نے [illegible] کر رکھا تھا' جاؤ بات سنو اس کی۔" رابعہ بی بی [illegible] سے کہتی وہاں سے اٹھ گئیں۔ داد بخش خاموشی سے سر جھکا کر اوپر آ گیا اس کے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا اس نے آہستگی سے دستک دی۔

"فرمایئے؟" اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

"آپ کے کپڑے!" اس نے شاپر سامنے کیا۔

"پہلے کہاں تھے یہ کپڑے؟"

"کل میں رات کو لیٹ واپس آیا تھا' آپ سو گئی تھیں اس لیے کپڑے گاڑی میں ہی رکھے رہ گئے۔" داد بخش کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں سو گئی تھی؟"

"رات کے دو بجے کا وقت تھا مہپارو بی بی!"

"دو بجے اگر تم جاگ سکتے ہو تو کیا میں نہیں جاگ سکتی؟"

"لیکن رات کے دو بجے میں آپ کے کمرے میں نہیں آ سکتا تھا۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"رات کے دو بجے تم میرے کمرے میں نہیں آ سکتے تو کیا میرے کمرے کے دروازے پہ بھی نہیں آ سکتے؟" وہ گھور کے بولی اسے داد بخش کی جھکی نظر پہ غصہ آ رہا تھا۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"ہاں! بی بی، نہیں آسکتا۔" اس نے دو ٹوک جواب دیا۔
اس کا صرف "بی بی" کہنا اس کی خفگی کا اظہار تھا۔

"میں جاؤں؟" وہ واپسی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

"ہوں! جاؤ۔" اس نے سرہلا کر کہا۔
"شکریہ۔" وہ فوراً پلٹ گیا۔
"سنو! ولو!" اس نے بے ساختہ آواز دی تو اس کے قدم تھم گئے تھے۔
"جی؟" وہ اس کی سمت پلٹتے ہوئے مختصر بولا۔
مہراہ اسے سرتاپا گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سرمئی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس کندھوں پہ اسکن کلر کی گرم چادر اوڑھے وہ اس وقت کہاں سے آیا تھا مہراہ بخوبی جانتی تھی۔
"اچھے لگ رہے ہو۔" اس نے دل کا کہا زبان کی نذر کر ہی دیا تھا۔
اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔
"تم جاؤ اب میں کپڑے چینج کرنے جا رہی ہوں۔" مہراہ نے لاتعلقی ظاہر کرتے ہوئے اسے جانے کا کہا اور خود کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ بخش لب بھینچ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"آجاؤ داد بخش!" وہ دستک سے ہی پہچان جاتی تھیں! انہوں نے نرمی سے کہا۔
"ادھر آؤ بیٹھو یہاں۔" انہوں نے اپنے جہازی سائز کے لوڑی پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔
"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" سردار بیگم کو دو دن سے بخار تھا۔
"طبیعت تو پہلے سے بہتر ہے لیکن کچھ تھکن اور کمزوری ہو گئی ہے اٹھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی۔" انہوں نے نقاہت سے کہا۔
"میں آپ کی ٹانگیں اور پاؤں دبا دیتا ہوں۔" اس نے ان کے پاؤں پہ ہاتھ رکھے اور آہستگی سے دبانے لگا۔
"ارے نہیں میرے بچے! یہ تیرا کام نہیں ہے۔" انہوں نے اپنے پاؤں پیچھے ہٹانے کی کوشش کی۔
"بیٹے ماؤں کے پیر دباتے اچھے نہیں لگتے۔" انہوں نے داد بخش کی گرفت سے اپنے پاؤں نکالنے چاہے۔
"بیٹے ہی تو ماؤں کے پیر دباتے ہوئے اچھے لگتے ہیں سردار بیگم! وہ عقیدت وہ محبت رجائی کے ہاتھ میں نہیں ہو گی جو میرے ہاتھ میں ہو گی۔"
"تم بیٹے ہو لیکن مجھے سردار بیگم کہہ کر پل میں غیر بھی کر دیتے ہو۔"
سردار بیگم بارہا کہہ چکی تھیں کہ مجھے اماں بیگم یا دادی بیگم کہا کرو لیکن وہ بچپن سے اب تک ان کو اماں یا دادی کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔
"میں آپ کو سردار بیگم اس لیے کہتا ہوں کہ آپ کا مجھ پہ رعب رہے۔" وہ ان کو بہلانے کے لیے ذرا شرارت سے بولا تھا۔
"میں سب جانتی ہوں۔" وہ بولیں۔
"میں ... نے کہا ہے کل آپ میرے ساتھ شہر چلیں گی اور چیک اپ کروائیں گی۔"
"لیکن اب کس لیے چیک اپ کرواتا ہے؟ بخار تو اتر گیا ہے۔"
"بخار اتر گیا ہے لیکن کمزوری اور نقاہت تو چھوڑ گیا ہے ناں؟ ڈاکٹر کوئی طاقت کی دوا لکھ دے گا تو آپ کی انرجی بحال ہو جائے گی۔" اس نے حتمی انداز میں کہا اور سردار بیگم اس کی اتنی فکر مندی پہ مسکرا دیں۔
"جیسے تمہاری خوشی۔" وہ اس کی بات سے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔
"اماں بیگم!" اچانک دروازہ کھول کر راشدہ بیگم اندر داخل ہوئی تھیں۔
"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" راشدہ بیگم ان کے پلنگ پہ سرہانے کی طرف آبیٹھی تھیں۔
"مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے، وہ تو آج ہاجرہ بھابھی نے ذکر کیا کہ اماں بیگم بیمار ہیں۔" راشدہ بیگم خاصی تشویش اور پریشانی ظاہر کر رہی تھیں۔
"اکیلی آئی ہو؟" انہوں نے اس کی فکر مندی نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں رمیز بھی ساتھ آیا ہے، گھر پہ کوئی ڈرائیور نہیں تھا اس لیے اسے ساتھ لے آئی۔" انہوں نے اپنی روانی اور بے دھیانی میں بتایا۔
"ڈرائیور گھر پہ ہوتا تو پھر نہ لے کر آتیں؟" سردار بیگم نے مطلب اخذ کیا۔
"ارے نہیں نہیں اماں بیگم! ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل وہ اپنی پڑھائی میں بزی ہوتا ہے اس لیے کہیں آنا جانا کم ہی ہوتا ہے۔" راشدہ بیگم نے ذرا سنبھل کر جواب دیا تھا۔
"... بچے ... مصروف ہوتے ہیں پڑھائی ... میں ... اپنے بڑے بزرگوں کو شکل ہی مت دکھاؤ۔" سردار بیگم خفا ہو رہی تھیں۔
"میں جاؤں سردار بیگم؟" داد بخش ان کے پاؤں دبانے کے بعد کھڑا ہو گیا تھا۔
"جاؤ، جیتے رہو، اللہ لمبی عمر عطا کرے۔" ان کے منہ سے دعا نکلی تھی۔
"آپ صبح تیار رہیے گا، ناشتا کرنے کے فوراً بعد نکلنا ہو گا۔" وہ ان کو یاد دہانی کروا کر باہر نکل گیا تھا۔
"کہاں جانا ہے اماں بیگم؟" راشدہ نے حیرانی سے پوچھا۔
"ڈاکٹر کے پاس۔"
"تو اس کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میں لے جاؤں گی رمیز ہے ناں ہمارے ساتھ۔"
"تم اور رمیز آج ہو لیکن کل نہیں ہو گے پھر کس کے ساتھ جاؤں گی؟"
"کیا مطلب ہے اماں بیگم؟"
"مطلب یہ ہے کہ تم لوگ مہمان ہو، چلے جاؤ گے تو پھر میں کیا کروں گی؟" سردار بیگم کے لہجے میں استہزا تھا۔
راشدہ بیگم کا موڈ بگڑ گیا تھا لیکن وہ خاموش ہو گئیں۔
"السلام علیکم نانی بیگم!" اتنے میں رمیز اندر داخل ہوا۔
"وعلیکم السلام کیسے ہو بچے؟" سردار بیگم نے کہا۔
"میں ایک دم فٹ ہوں، آپ سنائیں بخار کم ہوا؟" وہ کرسی کھینچ کر ان کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
"بخار اتر چکا ہے، خوامخواہ تمہاری ماں نے تمہیں زحمت دی۔"
"ارے نہیں نانی بیگم! زحمت کیسی؟ جب بھی یہاں آتا ہوں بڑا اچھا فیل ہوتا ہے۔" رمیز نے کافی خوشگوار لہجے میں کہا تھا جس پہ راشدہ بیگم نے حیرت سے بیٹے کو دیکھا شہر سے یہاں آتے ہوئے تو وہ خاصا بیزار اور خفا ہو رہا تھا لیکن اب اچانک موڈ کی تبدیلی حیرانی کا باعث تھی۔
"اچھی بات ہے بچے! آیا جایا کرو۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔
"ان شاء اللہ اب آیا کروں گا۔"
اس نے وعدہ کیا تھا۔ سردار بیگم مسکرا دیں اور راشدہ بیگم کا موڈ بھی خوشگوار ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دوسری حویلی فون کر کے ساجدہ بیگم کو بھی بلا لیا تھا۔ آج رات ان کا یہیں گاؤں میں رکنے کا ارادہ تھا اور اس کے لیے انہیں کمپنی کی ضرورت تھی!

☼ ☼ ☼

رحمی حویلی کے لان میں لوہے کی بڑی سی انگیٹھی رکھے اس میں خشک تنکے اور خشک لکڑیاں دہکا رہی تھی اور آگ کے شعلے بہت بلند اٹھ رہے تھے۔ داد بخش عشاء کی نماز پڑھ کر آیا تھا اس کے ہاتھ پاؤں خنک ہوا کے جھونکوں سے ٹھنڈے ہو رہے تھے وہ اندر جانے کی بجائے وہیں آگ کے قریب لان میں چلا آیا تھا۔
"انگیٹھی کیوں دہکا رہی ہو مائی؟" اس نے دو ٹوک

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

ہاتھ آگ کے قریب کر کے سینکتے ہوئے کہا۔

"پتر! ساجدہ بی بی آئی ہوئی ہیں ناں' ان کو ہیٹر کی گرمی اچھی نہیں لگتی اس لیے ان کے واسطے کوئلے بنا رہی تھی۔"

"اوہ ہاں' ان کو ہیٹر کی گرمائش سے الرجی ہو جاتی ہے۔" داد بخش کو یاد آگیا۔

"پتر یہ موئی الرجی کیا ہوتی ہے؟" مائی رکھی نے پوچھا۔ داد بخش ان کی بات پہ آہستگی سے مسکرایا اور کچھ دور پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی اٹھا کر آگ کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"مائی الرجی وہی ہوتی ہے جو داد بخش کو مہواہ سے ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے کوفت' بیزاری اور اکتاہٹ بھی کہا جا سکتا ہے۔" ان کے قریب سے ہی مہواہ کی آواز سنائی دی تھی۔ داد بخش چونک گیا تھا وہ بھی لان میں ہی تھی لیکن وہ اندھیرے میں اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔

"داد بخش کو کیا ہوتی ہے بی بی؟" مائی رکھی کو سمجھ نہ آیا۔

الرجی! یا مہواہ' داد بخش کو دیکھتے ہوئے زور دے کر بولی۔

"ماہی بی بی! آپ کو بھی کرسی لا دوں؟" مائی رکھی نے اسے کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

"میں چلتا ہوں اب؟" وہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگا۔

"میرے طل سے بھی چلے جاؤ۔"

وہ جل کر بولی تھی اور پھر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ داد بخش وہیں بیٹھا رہ گیا۔ ایک تو اس لڑکی نے اسے سولی پہ لٹکا رکھا تھا۔ وہ اس کی خود سری سے ڈرتا تھا وہ سردار بیگم کی عمر بھر کی ریاضت مٹی میں نہیں ملانا چاہتا تھا اور وہ تھی کہ ہر بار آڑے آجاتی تھی۔ وہ داد بخش کی قربت اور تنہائیوں سے بھی نہیں ڈرتی تھی لیکن داد بخش کا خون خشک ہو جاتا تھا۔

رمیز حویلی کے مرکزی دروازے سے نکل کر لان کی سیڑھیاں طے کرتا داد بخش کے قریب آگیا' داد بخش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"السلام علیکم' بیٹھیے۔" اس نے اپنی کرسی رمیز کو پیش کی۔

"وعلیکم السلام' لیکن تم کہاں بیٹھو گے؟" رمیز نے اسے کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

"میں دوسری کرسی لے آتا ہوں۔" داد بخش پلٹ کر گیا اور دوسری اٹھا لایا۔

"داد بخش! کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں اس حویلی میں رہتے ہوئے؟" رمیز آگ پہ نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"بچپن سے اب تک یہیں تو رہ رہا ہوں رمیز صاحب۔"

"پھر تو تم یہاں سب لوگوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو گے؟"

"تقریباً۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"تقریباً' کیوں؟"

"اس لیے کہ کبھی کبھی ہم کسی انسان کے ساتھ پوری زندگی بھی گزار لیں تو اسے جان نہیں پاتے' اسے سمجھ نہیں پاتے اور بھی [illegible] حاوی ہو جاتا ہے۔"

"اچھا تو [illegible] ایک بات بتاؤ' تمہاری یہ مہواہ بی بی کیسی ہے؟" رمیز کے اس سوال پہ داد بخش نے چونک کر دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے داد بخش! میرا سوال سمجھ میں نہیں آیا؟" اس نے ہنستے ہوئے استفسار کیا۔

"میں کیا بتا سکتا ہوں جی!"

"یہی کہ اس کو کیا پسند ہے' اس کے شوق مشاغل کیا ہیں؟"

رمیز نے معنی خیزی سے کہا تھا۔ داد بخش کا دل چاہا کہہ دے

"میں اس کا شوق ہوں اور میں ہی اس کی پسند' اور مجھے تنگ کیے رکھنا اس کا مشغلہ ہے' اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں کرتی۔"

"دیکھیے رمیز صاحب! میرا کام زیادہ تر حویلی سے باہر ہوتا ہے۔ میرا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تو ہے نہیں کہ میں ان کے مزاج کو سمجھ سکوں جتنا میں جانتا ہوں وہ بہت اچھی نیچر کی ہیں' البتہ تھوڑی ضدی ہیں اکثر ضد پہ اڑ جاتی ہیں۔" داد بخش نے سرسری سے انداز میں بتایا۔

"اوہ! یہ تو بہت ہی بری بات ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"یار لڑکیاں ضدی ہوں تو بڑی پرابلم ہو جاتی ہے' لڑکیوں میں سب کچھ ہونا چاہیے ناز نخرہ' ادائیں' لاڈ پیار' لیکن ضد نہیں ہونی چاہیے۔ میں اس چیز سے سخت الرجک ہوں۔" رمیز نے بڑے دھڑلے سے اپنے واہیات خیالات کا اظہار کیا تھا۔ داد بخش اپنے اشتعال کو ضبط کر گیا۔

"لگتا ہے کافی تجربہ ہے آپ کو؟" اور جواباً وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"ہے تو بہت [illegible] تجربہ [illegible] آؤ [illegible]" اس نے داد بخش کے کندھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ داد بخش کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ کنپٹی کی رگیں تن گئی تھیں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کافی ٹائم ہو چکا ہے اب سونا چاہیے۔"

"اتنی جلدی یار؟" رمیز ابھی بیٹھنا چاہ رہا تھا۔

"صبح فجر کی نماز کے لیے بھی اٹھنا ہوتا ہے' جلدی سوؤں گا تو جلدی اٹھوں گا ناں؟" اس نے رسان سے جواب دیا۔

"او کے گڈ نائٹ۔" رمیز بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے گڈ مارننگ!" وہ سب اس وقت ڈائننگ روم میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے کہ رمیز بھی وہیں چلا آیا۔

"گڈ مارننگ' بیٹھیے بھائی۔" وارث نے اپنے ساتھ والی کرسی پیش کی۔

"تھینک یو برادر۔" رمیز مسکراتے ہوئے اس کا گال کھینچ کے بولا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تائی بیگم! کیسی طبیعت ہے اب؟" اس نے سب پہ اک نظر ڈال کر سردار بیگم کو مخاطب کیا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹے۔" وہ چائے پیتے ہوئے بولیں "اور باقی سب کیسے ہیں؟" رمیز کی نظر اڑتے اڑتے مہواہ کے چہرے پہ ٹک گئی۔ وہ سر جھکائے ناشتا کر رہی تھی۔

"پھوپھو! آپ آج یہیں رکیں گی ناں؟" مہوانو نے راشدہ بیگم کو روکا۔

"نہیں بیٹا! آج واپس جانا ہو گا' انشاء اللہ دوبارہ چکر لگاؤں گی' تم آج اپنی ساس صاحبہ کو روک لو۔" راشدہ بیگم نے اپنی بہن ساجدہ بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مہوانو کو چھیڑا۔ مہوانو بچپن سے ہی اپنی پھوپھی ساجدہ کے بیٹے قاسم علی سے منسوب تھی۔

"[illegible] اپنے بیٹی کے لیے خود ہی رک جاؤں گی۔" ساجدہ بیگم نے پاس بیٹھی مہوانو کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"دیکھا مام' ساس بہو کا پیار؟ اب آپ بھی اپنے لیے ایک عدد بہو کا انتظام کر لیں۔" رمیز شرارت سے بولا تھا اور رابعہ بی بی نے چونک کر سردار بیگم کی سمت دیکھا۔ وہ نجانے کیوں جواباً کچھ بھی نہ بولی تھیں اور اس سے پہلے کہ رمیز کچھ پوچھتا' داد بخش اندر داخل ہوا تھا۔

"آپ ناشتا کر چکی ہیں؟" وہ سردار بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

"ہوں!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ داد بخش نے آگے بڑھ کے ان کو بازو سے تھام لیا۔

"اچھا بیٹا! میں چلتی ہوں' میری واپسی تک تو شاید تم لوگ چلی جاؤ گی۔" انہوں نے راشدہ اور ساجدہ سے کہا' رمیز کے کندھے پہ ہاتھ پھیر کر پیار کیا اور داد بخش کے ساتھ باہر نکل گئیں۔ وہ ان کو گاڑی میں بٹھا رہا تھا کہ پیچھے مہواہ بھی تقریباً بھاگتی ہوئی آن پہنچی تھی۔

"میں بھی چلوں گی۔" وہ اپنا پرس سیٹ پہ پھینکتی ہوئی دروازہ کھول کر فٹافٹ اندر بیٹھ گئی۔

"تم کو کہاں جانا ہے بیٹا؟" سردار بیگم نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے دادی بیگم! میں صرف آپ کے لیے آئی ہوں۔" وہ سردار بیگم سے لپٹ گئی تھی اور وہ اس کے لاڈ پہ شفقت سے ہنس دیں۔

"ٹھیک ہے میری بچے... چلو داد بخش۔" انہوں نے یونہی ہنستے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے داد بخش کو اشارہ کیا تھا۔

"دادی بیگم! ایک بات تو بتائیں یہ داد بخش اتنا کم کیوں بولتا ہے؟" اس نے سردار بیگم کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے پوچھا۔ نظریں داد بخش پہ تھیں اس کے سوال پہ داد بخش کی نظریں بے ساختہ بیک ویو مرر کی طرف اٹھی تھی۔

"داد بخش! مہاہ کو کیا جواب دوں... یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔" سردار بیگم ہنس دیں۔ وہ خاموش رہا۔

"دادا!" مہاہ نے پکارا۔

"جی مہاہ بی بی!" اس کے جواب میں وہی نپا تلا سا احترام تھا۔

"میں تم سے چھوٹی ہوں مجھے بی بی مت کہا کرو۔" وہ چڑ کر بولی۔

"میں آپ سے بڑا ہوں مجھے داد بخش کہا کریں۔" اس نے کہا۔

"مجھے جو اچھا لگتا ہے میں وہی کہوں گی۔" وہ [illegible] سے بولی۔

"اور جو مجھے مناسب لگتا ہے میں وہی کہوں گا۔" وہ بھی اپنے کہے پہ قائم تھا۔ "دادی بیگم!" اس نے جھنجلا کر سردار بیگم کو دیکھا۔

"داد بخش! میری یہ پوتی بڑی بیوقوف ہے۔" انہوں نے مہاہ کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے پیار سے کہا۔

"جی ان کی اس خوبی کے ثبوت ملتے رہتے ہیں مجھے" وہ ذرا آہستگی سے بولا تھا۔

"گاڑی روکو اور مجھے یہیں راستے میں اتار دو میں واپس حویلی چلی جاتی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے ساتھ نہیں [illegible]

"شہر آچکا ہے مہاہ بی بی! آپ کو وہیں پہ بٹھا دیتا ہوں سیدھی گاؤں جاتی ہے۔" سردار بیگم مسکرا دیں۔ ہسپتال آچکا تھا۔

داد بخش نے نیچے اتر کر پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور پھر انہیں سہارا دے کر اترنے میں مدد دی تھی۔ وہ اپنے مقررہ وقت پہ پہنچے تھے۔ ڈاکٹر اپنے روم میں تھا اس لیے ہسپتال پہنچتے ہی نرس سردار بیگم کو اندر ایکسرے کے لیے لے گئی اور وہ دونوں ویٹنگ روم میں ہی رہ گئے... مہاہ صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی تھی لیکن داد بخش بیٹھنے کے بجائے گلاس وال کے پاس جا کھڑا ہوا تھا وہاں سے باہر ریسپشن کا منظر نظر آرہا تھا ریسپشن پہ دو لڑکیاں کھڑی تھیں کافی خوب صورت اور اسٹائلش... وہ ہسپتال میں نئے آنے والوں کو گائیڈ کر رہی تھیں۔ انتہائی پروفیشنل سا انداز تھا ان کا۔

داد بخش نجانے کیا سوچتے ہوئے بے دھیانی میں ہی ان کی طرف دیکھے گیا تھا۔

"وہ پنک دوپٹے والی زیادہ خوب [illegible]" اچانک اس کے [illegible] داد بخش نے چونک کر دیکھا تھا وہ اس کی نظروں کے تعاقب میں ریسپشن پہ کھڑی لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"تمہیں کچھ پتا بھی ہے؟" وہ جل کر بولی۔

اتنے میں سردار بیگم بھی چیک اپ کروا کے ایکسرے روم سے نکل آئی تھیں۔

"کچھ کھانے پینے کے لیے بھی ملے گا یا نہیں؟" مہاہ نے داد بخش پر نظر ڈال کر کہا لیکن وہ بے نیاز سردار بیگم کو سیڑھیاں اترنے میں مدد دے رہا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم ناشتا کر کے ہی آئی ہو ناں؟"

"میں ناشتا ادھورا چھوڑ کے آئی تھی دادی بیگم!" وہ ناراضی سے بولی۔

"ابھی داد بخش سے کہتی ہوں کسی اچھے سے ہوٹل میں لے چلتا ہے۔" انہوں نے اسے تسلی دی اور مہاہ

اندر ہی اندر خوشی سے ناچ اٹھی۔

"داد بخش! گاڑی کسی ہوٹل میں کچھ دیر کے لیے روکنا مہاہ کو بھوک لگی ہے۔" انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تاکید کی تھی۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا اور مہاہ آہستگی سے مسکرا دی اسے پتہ تھا داد بخش کی جان جا رہی تھی اس حکم کی تعمیل پہ!

☼ ☼ ☼

"بانو بی بی... بانو بی بی دروازہ کھولیے۔" رجائی نے مہانو کے بیڈ روم کا دروازہ بجایا۔

"کون پیچھے لگ گیا ہے؟ اتنی آوازیں کیوں ہو رہی ہو؟"

مہانو نے سستی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"وہ نیچے قاسم صاحب آئے بیٹھے ہیں۔" "[illegible]" اطلاع پہ مہانو ٹھٹک گئی۔

"قاسم صاحب [illegible]"

"نگاریہ [illegible] کالج گئی ہیں، وارث بچہ اسکول پڑھنے گیا ہوا ہے۔" سردار بیگم اور والدہ بی بی دوسری حویلی گئی ہوئی ہیں اور چھوٹی بیگم (ماجدہ بیگم) سو رہی ہیں۔" رجائی نے باری باری سب کا بتایا تھا۔

"اور داد بخش! وہ کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔" بانو خود قاسم کے سامنے جاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"وہ زمینوں کی طرف گیا ہے۔ اس نے کماد فیکٹری بھیجنا تھا۔" رجائی کے پاس سب کی خبر تھی۔

"اچھا تم چائے بناؤ میں آتی ہوں۔" مہانو واپس پلٹی اور اپنا دوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح اوڑھتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"السلام علیکم!" مہانو آہستگی سے بولی۔

"وعلیکم السلام... کیسی ہیں آپ؟" قاسم علی چونک کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے میں بھی ٹھیک ہوں۔" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا اس کی پر اشتیاق نظریں مہانو پہ ہی تھیں۔

"آپ اس وقت....؟" وہ کچھ پوچھتے پوچھتے رک گئی کہیں قاسم برا نہ مان جائے۔

"میں تو شاید نہ ہی آتا مگر قسمت لے آئی۔" قاسم علی اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"مطلب؟" مہانو انجان بنی۔

"مطلب کہ میں تین چار روز سے شہر گیا ہوا تھا آج ہی واپسی ہوئی ہے راستے سے گزرتے ہوئے سوچا کہ چلو سب سے ملتے ہوئے جاتا ہوں مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ یہاں تو کوئی ہے ہی نہیں سوائے میری قسمت کے۔" قاسم علی کا لہجہ شوخ ہو رہا تھا۔

"یہاں صرف میں ہی نہیں ہوں چھوٹی امی بھی ہیں۔"

"وہ سو رہی ہیں محترمہ۔" رجائی اسے بتا چکی تھی [illegible] کھل کے بات کر رہا تھا۔

"وہ سوتے میں بھی آنکھ کھلی رکھتی ہیں۔"

"واہ کیا کوالٹی ہے ان کی۔" قاسم علی ہنسا تھا۔

تب ہی داد بخش ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور مہانو کو قاسم علی کے مقابل والے صوفے پہ بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ لیکن پھر اپنی اچانک مداخلت پہ شرمندہ بھی ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔" وہ شرمندہ سے لہجے میں کہتا واپسی کے لیے پلٹا۔

"داد بخش! تم بیٹھو گھر پہ اور کوئی بھی نہیں تھا اس لیے مجھے ہی یہاں آنا پڑا۔" مہانو نے جیسے صفائی دی تھی۔

"چائے وغیرہ لی آپ نے؟" داد بخش کو ٹیبل خالی دیکھ کر خیال آیا۔

"تمہاری بانو بی بی اتنی اچھی میزبان نہیں ہے داد بخش! وہ تو مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تھی۔"

مہانو نے باہر نکلتے ہوئے اس کا جملہ سنا تھا اور مسکراتی ہوئی کچن کی طرف آ گئی۔

"رجائی! ذرا جلدی ہاتھ چلایا کرو۔ کام کے وقت تمہاری ساری پھرتی نجانے کدھر جاتی ہے؟" مہانو

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

رجائی پہ خفا ہوئی تھی۔

"بس بانو بی بی! اب تیار ہو گیا ہے۔" رجائی ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی۔

"کماد بھجوا دیا تم نے؟" قاسم علی، رجائی سے چائے کا کپ لیتے ہوئے داد بخش سے مخاطب ہوا تھا۔

"کچھ کل بھجوایا ہے اور کچھ آج۔" داد بخش نے بھی کپ تھام لیا۔

"اس بار جس شوگر مل کو کماد بھجوانے کا ہمارا ارادہ تھا وہاں پہلا ہاتھ تم نے مار لیا۔" قاسم علی نے کہا۔

"پہلا ہاتھ نہیں قاسم صاحب! دوسرا ہاتھ، میں پچھلے سال بھی اس شوگر مل میں کماد بھیج چکا ہوں۔ پچھلے سال ہمارا نقصان بھی ہوا تھا ایک ٹرالی کسی کھڈ میں گر گئی تھی۔"

"تم نے وہ پچھلی بار کی کسر اب پوری کر لی ہے۔"

"ظاہر ہے کاروبار میں ہونے والا نقصان کاروبار سے ہی پورا کرنا ہوتا ہے۔ قاسم صاحب! یہ سارا کاروبار، لین دین، آمدن اور خرچہ وغیرہ سردار بیگم کا ہے یعنی میرے لیے ایک امانت ہے اس لیے مجھے اس امانت کی پائی پائی کا حساب کتاب رکھنا ہوتا ہے۔" اس نے رسانیت سے کہا تو قاسم علی چپ ہو گیا۔ "اور رہی بات آپ کے ارادے کی تو اگر مجھے پتہ ہوتا تو شاید میں کہیں اور فروخت کر دیتا۔" داد بخش نے معذرت کی تھی۔

"ارے کوئی بات نہیں یار! مال تم بھجواؤ یا ہم، بات تو ایک ہی ہے ناں؟ اس حویلی میں اور اس حویلی میں کوئی فرق تو نہیں۔" قاسم علی نے سر جھٹکتے ہوئے اطمینان سے کہا اور پھر چائے پینے کے فوراً بعد جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ داد بخش اسے گاڑی تک چھوڑنے گیا تھا۔

"تمہارے لیے کھانا لگاؤں؟" رجائی کو پتہ تھا کہ وہ صبح سے زمینوں کی طرف نکلا ہوا ہے اور اس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کھایا۔

"میں پہلے نہا لوں پھر کھانا کھاتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے ڈرائنگ روم میں کھلنے والے لوہے کی جالی کے دروازے کو کھول کر اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔

اسے واقعی بھوک لگی ہوئی تھی اس لیے وہ نہا کر سیدھا ڈائننگ روم میں آیا تھا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تو چند ہی منٹوں میں رجائی نے کھانا ٹیبل پہ سجا دیا۔

"میرا کھانا.....!" اچانک مہپارہ کی بلند آواز میں صدا ابھری تھی۔ وہ کالج سے لوٹی تھی اور سیدھی ڈائننگ روم میں آ گئی تھی داد بخش اس کی آواز پہ ٹھٹک گیا۔

"ابھی لگاتی ہوں ماہی بی بی!" رجائی تیزی سے پلٹ گئی۔ وہ عین اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ نظریں اسی پہ مرکوز تھیں..... لیکن وہ اپنے دھیان میں مگن کھانا کھانے میں مصروف رہا اس کی کوشش جلد از جلد یہاں سے اٹھنے کی تھی۔

"کھانا کوئی چرا نہیں لے گا۔ کھاتے ہوئے دیکھ تو لیا کرو۔"

"نظر ہی تو ساری تباہی کی جڑ ہوتی ہے۔" وہ سکون سے بولا تھا۔

"مجھے دیکھنے سے کون سی تباہی ہو جائے گی؟" مہپارہ چبا کر بولی تھی۔

"اسی ایک نظر کی بدولت ہی تو انسان [illegible] خواہش جاگتی ہے۔" [illegible]

"تو تم [illegible] سے ڈرتے ہو؟"

"ہاں ڈرتا ہوں کیونکہ جب انسان کے اندر خواہشیں جاگتی ہیں تو پھر ہر چیز کا اور ہر رشتے کا ڈر اور خوف ختم ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔"

"اتنی پرہیزگاری بھی اچھی نہیں ہوتی داد بخش!"

"اور اتنی بے خوفی بھی اچھی نہیں ہوتی مہپارہ بی بی!" وہ گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بولا۔

"تم بزدل ہو، اپنی بزدلی چھپانے کے لیے پارسائی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ بزدل مرد کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اور بے خوف عورت سب کچھ کر سکتی ہے۔" وہ سخت اور کھردرے لہجے میں کہتا کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"واٹ.....!" مہپارہ اس کی چوٹ پہ بلبلا اٹھی تھی۔

"میں داد بخش ہوں مہپارہ بی بی! مجھے داد بخش ہی رہنے دیں، زمین کی خاک کو سر پہ مت چڑھائیں، سر پڑی خاک بربادی کی علامت کہلاتی ہے۔ سردار بیگم نے داد بخش کو فرش سے اٹھا کر عرش پہ بٹھایا، پلیز ایسا کچھ مت کیجیے کہ سردار بیگم کو اسی داد بخش کو عرش سے اٹھا کر فرش پہ پھینکنا پڑے، داد بخش نہیں سہا جائے گا۔" وہ کہتے کہتے جیسے کمزور پڑ گیا تھا اور پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

مہپارہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ داد بخش اپنے آپ کو اپنی ذات کو کس خول، کس دائرے میں رکھتا تھا یہ تو اسے آج پتہ چلا تھا۔

✡ ✡ ✡

سنہری دھوپ سونا اگل رہی تھی اور لوگ سردی سے بچنے کے لیے سنہری دھوپ کا زیور اپنے تن پہ سجانے کے لیے سورج کے سائے [illegible] آج سردار بیگم [illegible] تھا اور [illegible] کے اور گرد حصار باندھ کے [illegible] کی۔ وہیں پہ بیٹھے گاؤں کی دو عورتیں بھی ان سے ملنے چلی آئی تھیں۔

"رکھی! آج دھوپ نکلی ہے تو چاول ہی صاف کروا کے رکھوا لو۔" سردار بیگم تکیے کے سہارے ذرا سا اٹھتے ہوئے بولیں۔

"جی سردار بیگم! میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" رکھی گھٹنوں پہ زور ڈالتے ہوئے بولی۔

"رجائی! اجو اور رفیق سے کہو چاولوں کی بوری نکال کر یہاں رکھ جائیں، میں یہاں کپڑا بچھاتی ہوں۔" رکھی نے ہدایت دی۔ رکھی نے بڑا سا موٹا کپڑا بچھایا اور رجائی اجو اور رفیق وغیرہ سے کہہ کر گودام سے چاولوں کی بوری نکلوا کر لے آئی تھی۔

"میں بھی ہاتھ بٹا دوں؟" گاؤں کی ایک عورت نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نہیں رقیہ! بیٹھو تم، تم مہمان ہو یہاں۔" سردار بیگم نے اس عورت کو روک دیا تھا۔

"یہ تو آپ کا بڑا پن ہے سردار بیگم۔" وہ عورت اتنی عزت پہ بڑی خوش ہوئی تھی۔

"ہم دونوں آپ کے پاس کسی کام سے آئے تھے۔" اس عورت نے ذرا ٹھہر کر تمہید باندھی۔

"ہاں ہاں بولو کیا کام ہے؟"

"وہ جی دراصل میرا بیٹا گاؤں کے اسکول سے دس جماعتیں پڑھ چکا ہے اب شہر کے کالج میں پڑھنا چاہتا ہے لیکن ہمیں شہر کے کالج میں داخلے وغیرہ کا کچھ بھی نہیں پتا، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس کا داخلہ کروا دیں۔"

انہوں نے ذرا جھجک کے کہا تھا وہ لوگ اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اتنا زیادہ پریشان ہو رہی تھیں۔ سردار بیگم مسکرا دیں۔

"تم پریشان نہ ہو میں داد بخش سے کہوں گی وہ تمہارے بیٹے کا داخلہ کروا دے گا بس دسویں جماعت میں اس کے نمبر اچھے ہونے چاہئیں۔"

"یہ لیں چائے!" رجائی ٹرے میں چائے اور بسکٹ سجائے آ گئی۔ یہی تو اس حویلی کی خاصیت تھی کہ ہر آنے والے کی عزت اور قدر کی جاتی تھی۔ چاہے وہ کوئی فقیر ہوتا چاہے گاؤں کا کوئی کمین، چاہے اپنا کوئی قریبی عزیز.....!

"بہت مہربانی سردار بیگم بہت مہربانی۔" وہ مشکور ہونے لگی تھیں۔

سردار بیگم ان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں جب حویلی کا گیٹ کھلا اور ایک چمچماتی ہوئی پجارو اندر داخل ہوئی پھر اس میں سے رمیز کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔

"رمیز؟" سردار بیگم اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

وہ پودوں کی باڑھ پھلانگ کر لان کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"السلام علیکم!" اس نے قریب آتے ہوئے اونچی آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام آؤ میرا بچہ بیٹھو۔" وہ کہنی پہ زور دیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ ان کے پاس تخت پہ ہی بیٹھ گیا تھا۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

"اللہ کا شکر ہے بیٹا ٹھیک ٹھاک ہوں' تم سناؤ ماں کیسی ہے تمہاری؟"

"وہ بالکل فٹ ہیں' ہاں آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔" اس نے یاد آنے پہ کہا۔

"وعلیکم السلام' تمہارا باپ کہاں ہوتا ہے آج کل؟ سالوں گزر گئے اس نے تو کبھی شکل ہی نہیں دکھائی؟" انہوں نے داماد کے متعلق پوچھا۔ قدیر ہمدانی جب سے راشدہ کے ساتھ شادی ہوئی تھی ایک یا دو بار ہی گاؤں آئے تھے۔

"پاپا اپنے بزنس میں بزی ہوتے ہیں' کبھی سنگاپور' کبھی ہالینڈ' کبھی امریکا اور کبھی دبئی' اتنے اتنے دن تو ہم ان کی شکل نہیں دیکھتے' آپ بھلا کیا دیکھیں گی؟" رمیز دلچسپی سے ہنسا۔

"اور وہ جو تمہاری ماں نے اس کے ساتھ پسند سے شادی کی تھی وہ کیا ہوئی؟ اتنے اتنے دن اپنی شکل نہیں دکھاتا تو اس کی شکل کیا خاک دیکھے گا؟ کیا گھر کی چمکتی دمکتی دیواروں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہے؟" وہ دونوں عورتیں اٹھ کر جا چکی تھیں اسی لیے سردار بیگم رمیز کے ساتھ کھل کے بات کر رہی تھیں۔

"وہ گھر بیٹھیں گی تو گھر کی دیواریں دیکھیں گی ناں؟ پاپا سے زیادہ مما خود بزی ہوتی ہیں۔" رمیز نے کندھے اچکا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"کچھ نہیں' آپ یہ بتائیں باقی سب کہاں ہیں؟" اس نے ٹال دیا تھا۔

"تمہاری پھوپھی اندر ہے' آرام کر رہی ہے' ملنا چاہو تو جا کر مل سکتے ہو' بچیاں کالج گئی ہیں اور وارث اسکول گیا ہوا ہے۔"

"نہیں ابھی تو میں چینج کروں گا' پھر باقی سب سے ملوں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"رہو گے؟"

"جی نانی بیگم' یونیورسٹی سے چھٹیاں تھیں اس لیے سوچا کہ اس بار چھٹیاں آپ کے ساتھ گزاروں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہوں! رجائی سے کہو وہ تمہارے لیے کمرہ کھول دے گی۔" انہوں نے اشارہ کیا اور رمیز سر ہلاتے ہوئے اندر آ گیا تھا۔ سردار بیگم دور تک اس کی پشت کو دیکھتی رہیں وہ نجانے کس سوچ میں گم ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اسے کالج کے گیٹ سے باہر کھڑے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اس کا انتظار کرتے ہوئے لیکن ابھی بھی اس کی آمد کے دور دور تک بھی امکان نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ کوئی تیسری بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ مہواہ یونیورسٹی سے اور مہر نگار کالج سے فارغ ہو چکی تھیں اسی لیے اجوان کو لے گیا تھا لیکن مہواہ آج تھوڑی لیٹ ہو گئی تھی اس لیے اس کو پک کرنے کی ذمہ داری داد بخش پہ آ گئی تھی۔

مہواہ نے خود اسے کال کر کے کالج سے پک کرنے کا کہا تھا لیکن اب پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ داد بخش چاہتا تو اس کے نمبر پہ کال کر کے پوچھ بھی سکتا تھا لیکن وہ خود سے اس کے [illegible] بھی تو نہیں کرنا چاہتا تھا وہ [illegible] کیے ہوئے تھا [illegible] لیکن اس کی [illegible] اسے پریشان بھی کر رہی تھی۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور گیٹ سے باہر کھڑے چوکیدار کے پاس چلا گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ چوکیدار سے کوئی استفسار کرتا اندر سے دوسرے چوکیدار نے گیٹ کھولا اور لڑکیوں کے ٹولے نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ داد بخش تھوڑا سائیڈ پہ ہو گیا تھا۔

"ہائے داد!" مہواہ اسے دور سے ہی دیکھ کر چہکی تھی اور وہیں سے ہاتھ ہلایا تھا۔

"یہ داد کون ہے؟" اس کی ایک کلاس فیلو نے پوچھا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" جواباً مہواہ شرارت سے بولی تھی۔

"تمہارا منگیتر؟" زونیرا نے قیاس کیا۔ مہواہ

کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"منگیتر ہے تو نہیں مگر دعا کرو ہو جائے۔"

"اوہ! انٹی ابھی کوئی چکر چل رہا ہے؟" وہ معنی خیزی سے بولیں۔

"یار کوشش تو کر رہی ہوں مگر چل نہیں رہا ہے۔"

"امیزنگ یار' تمہاری خوب صورتی' تمہاری دلکشی نے اسے متاثر نہیں کیا؟"

"وہ خود کسی سے کم ہے' کیا شاندار پرسنالٹی ہے۔"

"صرف پرسنالٹی شاندار ہے' وہ خود نہیں ہے شاندار نہیں' انتہائی عاجز' پرہیزگار اور متقی سا بندہ ہے' تمام عورتیں اسے اپنی ماں اور بہن نظر آتی ہیں۔" مہواہ استہزائیہ کہتے ہوئے ہنسی تھی۔

"او کے اب چلتی ہوں بے چارہ کب سے انتظار کر رہا ہے۔" مہواہ انہیں خدا حافظ کہتی ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گئی۔

داد بخش نے اس کے [illegible] لیکن وہ بیک [illegible] فرنٹ ڈور کھول کر [illegible] کر اسے دیکھا۔

"چلو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ داد بخش نے اک نظر مہواہ کو اور اک نظر گیٹ سے باہر کھڑی اس کی دوستوں کو دیکھا تھا اس لیے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"تمہیں کافی انتظار کرنا پڑا ہو گا؟" اس نے سکون سے داد بخش کی طرف رخ موڑا۔

"جی۔" اس نے صرف جی پہ اکتفا کیا تھا۔

"غصہ بھی آیا ہو گا؟"

"نہیں..." اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں...؟"

"یہ تو میرا کام ہے۔ سردار بیگم پوری عمر کسی کا انتظار کرنے کو کہہ دیں تو پوری عمر بیٹھ کر انتظار کرتا رہوں گا' یہ تو محض چند منٹوں کا انتظار تھا۔"

"تمہاری اپنی مرضی' چاہت کچھ نہیں ہے؟" وہ تفتیشی انداز سے بولی۔

"مہواہ بی بی! آپ نے اس حویلی میں آنکھ کھولی ہے اس لیے ایسی باتیں سوچ سکتی ہیں' سردار بیگم نے مجھ پر احسان کیا ہے' مجھے محبت دی' سہارا دیا۔ میرا سر کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ ان کے سامنے جھکا ہے۔ میں اپنی حیثیت بھولا نہیں ہوں۔" اس نے مہواہ کے سوال پر ڈھکے چھپے انداز میں اپنی حیثیت جتا دی تھی۔

"دادی بیگم نے کبھی بھی تم میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں رکھا' نہ ذات پات کا' نہ اپنے پرائے کا' جتنا پیار ہم کو دیا اس سے بھی زیادہ تمہیں دیا' ہمیشہ تمہاری بات کو اہمیت دی' ہر ذمہ داری تمہیں سونپی' ہر بھروسہ تم پہ کیا لیکن تم نے پھر بھی یہ اونچ نیچ اور حیثیت کی دیوار اٹھا رکھی ہے۔ دادی بیگم نے بقول تمہارے تمہیں فرش سے اٹھا کر عرش پہ بٹھا دیا لیکن تمہاری سوچ آج بھی اسی فرش پہ ہے جہاں سے انہوں نے تمہیں اٹھایا تھا۔"

مہواہ نے اسے کھری کھری سنا ڈالی تھیں۔

"مہواہ بی بی! حقیقت حقیقت ہی رہتی ہے' میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے بھلا؟ یہ تو سردار بیگم کی کرم نوازی ہے کہ انہوں نے مجھ ناچیز کی زندگی کو سنوار دیا اور اب میری زندگی کا بھی یہی مقصد ہے کہ ان کی خدمت میں وقت گزاروں' انہیں سکون اور آرام دوں' نہ کہ میری ذات ان کے لیے پریشانی کا سبب بنے۔"

اس نے کہتے ہوئے سڑک کی ایک سائیڈ پہ گاڑی روک دی اور نیچے اتر آیا تھا۔

"آپ پلیز پچھلی سیٹ پہ آ جائیں۔" اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔

"کیوں؟"

"آپ جانتی ہیں۔"

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں تمہارے برابر بیٹھنا چاہتی ہوں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"میں اس قابل نہیں ہوں۔" وہ بھی اپنی بات پہ قائم تھا۔

مہواہ ڈیش بورڈ سے اپنا بیگ اٹھا کر تلملاتی ہوئی اپنا غصہ ضبط کرتی فرنٹ سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ پہ آن

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

بیٹھی۔ اس کے بیٹھتے ہی داد بخش نے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا پھر باقی کا تمام راستہ وہ بالکل خاموش رہی تھی اور اس کی خاموشی اس کے غصے کا اظہار تھی۔ داد بخش نے سکون کا سانس لیا تھا لیکن جیسے ہی اس کی گاڑی حویلی میں داخل ہوئی وہ ٹھٹک گیا سامنے ہی روش پہ بلیک پجارو کھڑی تھی۔

"رمیز صاحب آئے ہیں؟" اس نے حیرانی سے سوچا اور اس کی پجارو کے پیچھے ہی گاڑی پارک کر دی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے جناب' یہاں مہمانوں کو کمپنی دینے کا کوئی رواج نہیں ہے کیا؟" مہماہ شال اوڑھے بالکنی میں کھڑی تھی اور اس کے پیچھے رمیز بھی وہیں چلا آیا تھا۔

"مجھے سب لوگوں کی کمپنی کم پڑ گئی تھی کیا کہ آپ کو میری کمپنی کا خیال آ گیا؟"

"یہی سمجھ لو۔" رمیز ذو معنی انداز میں مسکرایا۔

"پھر مایوسی ہو گی آپ کو۔"

"کیوں جناب؟"

"میرا موڈ خراب ہے اس لیے بہتر ہے کہ آپ بھی چپ رہیں اور مجھے بھی چپ رہنے دیں۔" اور یہاں مجھے جناب شناب کہنا اچھا نہیں لگتا احتیاط ... نے کرارا سا جواب دیا تھا۔

"تو پھر کیا کہوں؟"

"مہماہ....." وہ دو ٹوک بولی۔

"نہیں میں تمہیں ماہی کہوں گا جیسے باقی سب کہتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

"ویسے تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟" رمیز نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں زیادہ پرسنل سوال پسند نہیں کرتی۔" مہرماہ ناگواری سے بولی تھی۔ رمیز نے ذرا سٹپٹا کر اسے دیکھا وہ صرف ضدی اور ہٹ دھرم ہی نہیں خاصی منہ

پھٹ بھی لگ رہی تھی اور کسی منہ پھٹ سے مروت کی توقع رکھنا انتہائی عبث تھا۔ رمیز کو خاصا مشکل پراجیکٹ لگی تھی وہ!

"آج تو خاصی روڈ بھی ہو رہی ہو؟"

"پلیز رمیز بھائی!" وہ جھنجلا کے بولی۔

"صرف رمیز بھی کہہ سکتی ہو۔"

"او کے او کے رمیز صاحب پلیز آپ کو برا لگے گا لیکن میں مجبور ہوں آپ سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کر پاؤں گی آپ پیچھے چلے جائیں۔ بانو اور نگار وغیرہ آپ کو کمپنی دیں گی۔"

رمیز کو تاؤ آیا تھا لیکن پھر نظر انداز کر گیا۔

"او کے میں چلتا ہوں لیکن اس امید کے ساتھ کہ صبح تم سے فریش موڈ کے ساتھ ملاقات ہو گی۔"

رمیز وہاں سے چلا گیا تھا لیکن مہماہ وہیں بالکنی میں کھڑی رہی اور اسے کھڑے کھڑے کافی دیر گزر گئی تھی جب مہمانو اندر داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے؟ کیا آج پھر داد بخش کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" مہمانو نے چھوٹتے ہی استفسار کیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ؟" مہماہ نے مہمانو کو ... دیکھا۔

"پوری حویلی ... ہے جو تمہاری بات ... ایسا ہی کچھ ہوا ہو گا؟ آج تو تم کالج سے اکیلی ہی اس کے ساتھ آئی ہو۔" مہمانو نے کافی گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا اور درست اندازہ لگایا تھا مہماہ۔

"مہماہ تم جس راستے پر چل رہی ہو انجام سوچا ہے تم نے؟" مہمانو کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"انجام کوئی بھی نہیں سوچتا اور جو انجام سوچتا ہے وہ آغاز بھی نہیں کرتا۔" وہ بھی مہمانو کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

"وہ زمانے اور تھے ماہی جہاں لوگ دل کے کہے پر چل پڑتے تھے' یہ زمانہ اور ہے یہاں ہر کام باقاعدہ پلاننگ سے اور سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ زمانہ بہت فاسٹ ہے۔ انتہائی تیز رفتار اور تیز دھار۔ یہاں

منہ کے بل گرنے کا اور کچلے جانے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔" مہمانو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ تم اپنی نادانی اور بیوقوفی سے باز آ جاؤ۔"

"جسے تم بیوقوفی اور نادانی کا نام دے رہی ہو۔ وہ میرے دل کی خوشی ہے بانو!" مہماہ تڑپ کر بولی تھی۔

"تمہارے دل کی خوشی دادی بیگم کے دل کا آزار بن جائے گی مہماہ! اور وہ..... وہ مفت میں مارا جائے گا۔ یہ اونچی حویلیوں والے اپنی خود سر بیٹیوں پہ الزام نہیں ڈالتے' ان کے عتاب کا نشانہ غریبوں کے فرزند بنتے ہیں' دادی بیگم ہم سب کے لیے کتنی ہی نرم خو سہی لیکن اس معاملے میں ان کا جلال بھی دیکھنے والا ہو گا اور نشانہ داد بخش ہی بنے گا۔" مہمانو نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اسے سب صاف صاف بتایا تھا۔ مہماہ کتنی ہی دیر کچھ کہہ نہ سکی.....

☆ ☆

"رجائی! داد بخش ... ہے؟ دو دن سے کہیں نظر نہیں آیا؟" مہماہ کالج سے واپسی پہ لنچ کرنے کے لیے بیٹھی تو بے ساختہ ہی پوچھ لیا۔ دو دن سے ان دونوں کا کوئی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

"اس بے چارے کی تو طبیعت ہی بہت خراب ہے۔" ہاجرہ بیگم ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اس کی بات سن چکی تھیں لیکن مہماہ ان کے جواب پہ بری طرح چونکی تھی۔

"کیا ہوا داد بخش کو؟" اس نے دوسری بار بھی رجائی کو ہی مخاطب کیا تھا۔

"دو دن مزدوروں کے پیچھے بھاگ دوڑ کرتا رہا' زمینوں پہ ہل چلاتا تھا۔ آدھا کام مزدوروں نے کیا آدھا اس نے خود کیا شام گئے واپس آ کر نہانے گھس گیا۔ اتنی مشقت کرنے کے بعد جسم گرم تھا اس لیے ٹھنڈے پانی سے نہانے کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے ابھی اسے چائے دے کر آئی ہوں اس کا گلا بھی خراب ہو رہا تھا۔"

رجائی نے کافی تفصیلی جواب دیا تھا مہماہ کی پریشانی دو چند ہو گئی تھی لیکن ہاجرہ بیگم کی موجودگی کے باعث اظہار نہیں کیا۔

"بہت ہی محنتی اور اچھا بندہ ہے داد بخش! سردار بیگم کو ایسا ملازم آنے والی کئی نسلوں میں بھی نہیں ملے گا۔" ہاجرہ بیگم نے طنزیہ سراہا۔

"داد بخش ملازم نہیں ہے اماں بیگم!" مہماہ ان کی طرف رخ موڑتے ہوئے چبا کر بولی تھی۔

"تو پھر کیا ہے؟" انہوں نے مسخر اڑایا۔

"یہ سوال آپ دادی بیگم سے جا کر کریں۔"

"داد بخش میرا بیٹا ہے' میرا پوتا ہے' میرا نواسا ہے' اور کتنے رشتے بتاؤں۔" سردار بیگم کی سماعتوں سے بھی ہاجرہ بیگم کی آواز دور نہیں رہ سکی تھی' وہ داد بخش کے لیے رجائی کو یخنی بنانے کا کہنے آئی تھیں اور یہ کام ان کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ خود اپنے کمرے سے اٹھ کر یہاں تک آ گئی تھیں۔

"یعنی داد بخش اس حویلی میں وارث کا حصہ دار ہے' جاگیر و جائیداد کا بٹوارہ ہوا تو دونوں کو برابر کا حصہ ملے گا؟" ہاجرہ بیگم اپنے سینے میں سالوں سے پھانس کی طرح اٹکا سوال آج بے ساختہ ہی زبان تک لے آئی تھیں۔

"اس حویلی کی وارث اور حق دار میں خود ابھی زندہ ہوں اور اس حویلی کے وارث اور حق دار کا فیصلہ میں خود کروں گی اور ایک بات کان کھول کے سن لو بہو بیگم! اس حویلی اور جائیداد سے سب کو برابر کا حصہ ملے گا میں چار گاؤں کے لوگوں میں بیٹھ کر حصہ کروں گی۔"

سردار بیگم سختی سے کہہ کر رجائی کو لیے وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ہاجرہ بیگم ناگن کی طرح بل کھا رہی تھیں' بھری جوانی میں بیوگی کے بعد ان کی آنکھوں نے اگر کوئی خواب دیکھا ہی تھا تو وہ اس حویلی اور جاگیر پہ راج کرنے کا خواب ہی تھا وہ یہ حویلی چھوڑ کر بھی جا سکتی تھیں لیکن اپنے بیٹے کو اور اس حویلی کو چھوڑنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا ان کے تصور میں یہ حویلی اور جائیداد سردار بیگم کے بعد ان کی ملکیت تھی لیکن سردار بیگم تو نجانے کیا سوچے بیٹھی تھیں۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

☼ ☼ ☼

وہ عجیب سی کشمکش کا شکار تھی' دل بے چینی اور اضطراب کے گھیرے میں تھا' دل جس پہ آمادہ تھا دماغ اس پہ انکاری ہو رہا تھا۔ سوچیں بھی مضطرب سی محسوس ہو رہی تھیں۔ کافی دیر وہ بستر پہ لیٹی یونہی کروٹیں بدلتی رہی اور بالآخر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اپنے دھیان کو اس کی سوچ سے ہٹانے کے لیے اس نے ایک جتن کیا اور ٹیلی ویژن آن کر کے بیٹھ گئی۔ تقریباً پانچ منٹ وہ چینل سرچ کرتی رہی پھر ریموٹ بیڈ پہ اچھال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی الماری کے پاس گئی اور اپنی گرم شال نکال کر اوڑھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

باہر ہر طرف ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا وہ آہستگی سے سیڑھیاں اترتی ڈرائنگ روم میں کھلنے والے دروازے کے پاس آگئی یہ دروازہ کھلنے اور بند ہوتے ہوئے اچھی خاصی آواز پیدا کرتا تھا اس کی چرچراہٹ دور تک سنائی دیتی تھی۔ مہپارہ نے ہینڈل تھام کر جیسے ہی دروازے کو اپنی طرف کھینچ کر کھولا اس کی بلند آواز میں ابھرنے والی چرچراہٹ پورے ڈرائنگ روم میں گونج گئی تھی وہ اس دروازے کو کوستی ہوئی داد بخش کے کمرے کی راہداری میں داخل ہوئی لیکن [illegible] ہینڈل کو چھوڑا دروازے نے بند ہوتے ہوئے [illegible] احتجاج بلند کیا تھا۔

"منحوس!" وہ بڑبڑاتی ہوئی داد بخش کے بیڈ روم کے سامنے آرکی۔ ایک لمحے کے لیے ٹھہر کر اپنا موڈ درست کیا اور پھر دروازے پہ ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا تھا' داد بخش کبھی بھی اپنے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند کر کے نہیں سوتا تھا۔ گویا اس کا کچھ بھی پرسنل نہیں تھا۔ مہپارہ بنا آہٹ کے اندر آگئی تھی اندر کمرے میں نیلے رنگ کے زیرو بلب کی مدھم سی فسوں خیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے کا ماحول خاصا خواب ناک لگ رہا تھا مہپارہ کے دل کی لے بدل گئی تھی۔

وہ بے قدموں چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب آ گئی داد بخش دائیں کروٹ سویا ہوا تھا۔

"داد۔۔۔!" اس نے مدھم سی آواز میں پکارا۔

"داد!" دوبارہ آواز دی گئی لیکن وہ شاید دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ مہپارہ بیڈ کے قریب ہی دو زانو قالین پہ بیٹھ گئی۔ اس کے عین سامنے داد بخش کا چہرہ تھا۔ اس کے سیاہ بال اس کی کشادہ پیشانی پہ گرے ہوئے تھے ہمہ وقت ان کی عزت اور احترام میں جھکی رہنے والی آنکھیں نیند سے ہمکنار تھیں۔ سیاہ گھنی مونچھوں تلے دبے کٹاؤ دار ہونٹ نرمی سے بھینچے ہوئے تھے اور دو تین دن کی بڑھی ہوئی شیو بھی مہپارہ کی عمیق نگاہ سے مخفی نہیں رہ سکی تھی۔

"داد بخش! نجانے کس ماں کے لعل ہو تم؟ تمہاری جوانی تو اس نے دیکھی ہی نہیں' دیکھ لیتی تو فخر کرتی تمہیں پیدا کرنے پہ اترائی۔۔۔!"

آہستگی سے اپنا ہاتھ شال سے نکالا اور۔۔۔ اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر اس کی پیشانی پہ رکھ دیا تھا۔ اس کی پیشانی بری طرح تپ رہی تھی [illegible] ہاتھ کے سرد [illegible] بیٹھا [illegible]

"مہپارہ بی بی؟" اس نے ملگجے سے اندھیرے میں بھی اسے پہچان لیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ میں تمہاری طبیعت پوچھنے آئی تھی۔" مہپارہ نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا چھوٹا سا لیمپ جلا دیا تھا۔

"میری طبیعت؟ مگر اس وقت؟" اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا رات کا ایک بجا تھا۔

"جب فرصت ملے گی تب ہی پوچھوں گی نا؟" اس نے بے نیازی ظاہر کی۔

"لیکن مہپارہ بی بی! اس وقت آپ کا میرے بیڈ روم میں آنا مناسب نہیں' پلیز آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں۔" داد بخش کی بخار سے سرخ آنکھوں میں لال ڈورے تیر رہے تھے اور وہی نیند ہلکورے لے رہی تھی

داد بخش بمشکل اپنے اعصاب ٹھکانے لا پایا تھا۔

"ہر وقت مناسب اور غیر مناسب کے چکروں میں مت پڑا کرو' کبھی کسی کے احساسات اور جذبات بھی سمجھ لیا کرو۔" مہپارہ کو اس کی پریشانی اور فکر پہ غصہ آیا تھا۔

داد بخش نے کمبل ہٹا کر پاؤں بیڈ سے نیچے اتارے تھے۔

"اب تم اٹھ کیوں رہے ہو؟"

"میرے سر پہ بدنامی کھڑی ہے اور میں سوتا رہوں؟"

"واٹ؟ اب میں تمہارے لیے بدنامی ہو گئی ہوں؟" وہ تلملا کر بولی۔

"جہاں کوئی مضبوط رشتہ نہ ہو وہاں بدنامی ہی ہوتی ہے' میرے اور آپ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔" اس نے سلیپر پہنے اور کھڑا ہو گیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" مہپارہ [illegible]

"[illegible] کمرے سے باہر۔"

"تم کہیں نہیں جاؤ گے' باہر بہت ٹھنڈ ہے۔"

"میں آپ کو بھی تو اپنے کمرے سے نہیں نکال سکتا۔" داد بخش نے کرسی پہ رکھی اپنی گرم چادر اٹھائی بخار سے تپتے ہوئے وجود پہ ماحول کی خنکی تیزاب کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"تم خود بھی کہیں نہیں جا سکتے' بیٹھو یہاں۔" مہپارہ نے داد بخش کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پیچھے بیڈ کی طرف دھکیلا تھا۔

"بیٹھو۔۔۔" مہپارہ نے اسے بٹھا کر چھوڑا۔

"کمبل اوڑھو اور پاؤں اندر کرو۔" اس نے داد بخش کے پاؤں سے سلیپر بھی نکال دیے تھے لیکن وہ اپنی جگہ پہ دم بخود سا رہ گیا تھا۔

ایک عرش پہ اسے سردار بیگم نے بٹھایا تھا اور ایک عرش پہ مہپارہ ولی محمد بٹھا رہی تھی۔ داد بخش کی نظریں مہپارہ پہ گڑی تھیں۔ وہ جو اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا آج آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا اس نے نظر اٹھا کر داد بخش کو دیکھا لیکن اسے اپنی طرف ہی دیکھتے پا کر اس کی پلکیں بے ساختہ جھک گئی تھیں وہ سراپا اس کے سامنے تھی اس کی محبت اور ایک عنایت کی منتظر۔ اس کے روم روم سے داد بخش کی محبت کی مہک اٹھ رہی تھی۔ وہ سراپا صندل بنی ہوئی تھی۔ داد بخش چاہتا تو اپنے گھٹنوں پہ رکھے اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھ کر اس کی منتظر محبت کو قبولیت کی سند دے سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ یہ چاہتا تو اور بہت کچھ کھو دیتا اور اس بہت کچھ میں سرفہرست سردار بیگم کا اعتبار اور اپنے کردار کا فخر تھا اور وہ دونوں چیزیں ہی نہیں کھو سکتا تھا بس اسے اس وقت اس لمحے کو کھونا تھا سو اس نے کھو دیا۔

وہ مہپارہ ولی محمد کے ہاتھ بے مروتی سے جھٹک کر کھڑا ہوا اور دوسرے ہی لمحے کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور مہپارہ وہیں جگہ پہ پتھرائی ہوئی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ لان کے بیچوں بیچ کھڑا انتہائی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا ماحول میں شامل دبیز دھند کے باعث زمین سے عجیب سی مہک اٹھ رہی تھی اور اس مہک میں کچی مٹی کی آمیزش محسوس ہو رہی تھی۔ لان کی گھاس بھیگی بھیگی لگ رہی تھی اور اس دھند کے باعث رات کی سیاہی سرخ دھندلی روشنی میں بدل رہی تھی اسے لان میں ٹہلتے ہوئے اور ایک فیصلے پہ پہنچتے ہوئے کافی دیر لگ گئی تھی۔

فجر کی اذان میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔ اس نے نماز پڑھنے کے لیے بھی جانا تھا اس لیے بہتر تھا کہ یہ کام ابھی ختم کر لیتا۔ اس نے سردار بیگم کے کمرے کے باہر ٹھہرتے ہوئے ایک پل کے لیے سوچا اور پھر دستک دے ڈالی تھی۔ سردار بیگم تہجد کے وقت اٹھتی تھیں اور صبح سورج کی پو پھٹنے تک جاگتی رہتی تھیں اس دوران وہ قرآن پاک' نماز اور وظیفہ پڑھتی رہتی تھیں اور اگر اس عبادت سے فارغ ہو جاتیں تو تسبیح لے کر اپنے بستر میں بیٹھ جاتی تھیں۔۔۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

وہ شاید کچھ پڑھ رہی تھیں اس لیے داد بخش کی دوسری دستک پہ بھی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ اور بالآخر تیسری دستک دینے کے بعد وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ سردار بیگم سامنے ہی جائے نماز پہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

انہوں نے آنکھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہا تھا ان کی اجازت پہ کافی بوجھل قدموں سے آگے بڑھ کر کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔

اللہ کے حضور دعا مانگ کر داد بخش کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"جی ٹھیک ہوں۔"

"کہاں سے آرہے ہو؟"

"باہر لان سے۔"

"کیوں خیریت؟ تمہاری تو طبیعت خراب تھی پھر اتنے سرد موسم میں باہر کیوں چلے گئے؟"

داد بخش چند ثانیے یونہی خاموش بیٹھا رہا پھر کرسی اٹھا کر جائے نماز کے قریب آکے بیٹھ گیا اور ہاتھ بڑھا کر سردار بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ حیرانی سے اس کی حرکات نوٹ کر رہی تھیں۔

"آپ کے سامنے کوئی بات کروں تو کیا اس کے لیے قسم کھا کر یقین دلانا ضروری ہے؟" وہ کافی [illegible] سے ٹھہر ٹھہر کر بات کر رہا تھا۔ سردار بیگم کے تجسس میں اضافے کے ساتھ ساتھ پیشانی کی شکنوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" انہیں حیرت ہوئی تھی۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں آپ وہ بتائیں۔" داد بخش کا لہجہ اور انداز دوٹوک ہو رہے تھے۔

"تم خود جانتے ہو کہ تمہاری بات میرے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے اور مجھے کتنا یقین ہے تم پہ؟"

"لیکن یہ بات ہی کچھ ایسی ہے کہ آپ کا اعتماد ڈول سکتا ہے۔"

"بات جو بھی ہو داد بخش! تم پہ میرا یقین اتنا کمزور بھی نہیں کہ ڈانواں ڈول ہو جائے۔"

سردار بیگم کا لب و لہجہ مضبوط تھا جس پہ داد بخش نے اطمینان سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"میں بہت دنوں سے بلکہ بہت عرصے سے یہ بات آپ کے علم میں لانا چاہ رہا تھا لیکن خود میں اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں پا رہا تھا کہ آپ کے سامنے یہ سب کہہ پاتا۔ میں سوچتا تھا کہ سب خود بخود ہی ٹھیک ہو جائے گا' وقت کے ساتھ ساتھ اسے عقل آجائے گی وہ سمجھ جائے گی لیکن وہ بہت نادان ہے۔ آپ نے مجھ پہ اعتماد کیا' مجھ پہ بھروسہ کیا' اپنی عزتیں' اپنی امانتیں مجھ پہ یقین رکھتے ہوئے مجھے سونپ دیں' میں سب کچھ ہو سکتا ہوں مگر بے غیرت اور بے ضمیر نہیں ہو سکتا کہ آپ کی عزت یا امانت میں کوئی خیانت کروں' میں آپ کی عزتوں کا امین ہوں اور ہمیشہ ہی رہنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ میں اس حویلی سے دور ہو جاؤں' میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ اس وقت سے پہلے جب اس حویلی کے مکین خود مجھے دھکے دے کر نکالیں گے۔"

داد بخش کہتے کہتے جیسے تھک گیا تھا اور سردار بیگم ساکت و صامت [illegible] تک رہی تھیں "[illegible] کس کی بات کر رہے ہو تم؟" کچھ دیر بعد وہ سرگوشی میں بولیں۔

"مہواہ بی بی کی!" ان کے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی تھی سردار بیگم جوں کی توں بیٹھی رہ گئی تھیں۔

"پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا؟" ان کی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"پہلے بات کبھی اس نوبت تک نہیں پہنچی تھی۔"

"نوبت؟" انہوں نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"آج رات وہ میرے کمرے میں آگئی تھیں میری عیادت کے لیے' مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب آئیں؟ میں دوائیوں کی وجہ سے نیند میں تھا' پتہ تو تب چلا جب مہواہ بی بی نے میری پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔"

داد بخش نے آج سارے راز عیاں کر دیے تھے اور اپنے ضمیر پہ رکھا بوجھ بھی اتار پھینکا تھا۔ اب سردار بیگم چاہے جو بھی فیصلہ سناتیں مگر وہ ہلکا پھلکا اور آزاد ہو چکا تھا اب اس کے ضمیر پہ کوئی بوجھ نہیں تھا کہ وہ سردار بیگم سے کچھ چھپا رہا ہے۔

"آپ پلیز مجھے یہاں سے دور بھیج دیں۔" اس نے پھر کہا تھا انہیں اکسایا تھا۔

"تمہیں کیوں بھیجوں؟ اسے ہی نہ بھیج دوں؟" انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا اور داد بخش ٹھٹک گیا تھا۔

"کیسے؟"

"جیسے ہر بیٹی ماں باپ کا گھر چھوڑ کے جاتی ہے۔" سردار بیگم کا لہجہ مضبوط اور فیصلہ کن تھا۔ داد بخش حیرت سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

پچھلے چار روز [illegible] ہوئی [illegible] نہیں آرہا تھا کہ [illegible] ایک تو بے دماغ کیسے رکھیں؟ لیکن اوپر والا ساتھ دینے والا ہو تو سب ممکن ہو جاتا ہے۔ وہ دن ہوئے تھے رمیز کو واپس شہر گئے ہوئے اور آج دو دن بعد راشدہ بیگم اپنے شوہر قدیر ہمدانی کے ہمراہ حویلی چلی آئی تھیں ساجدہ بیگم اپنے بھائی کو دیکھ کر خوب آؤ بھگت کر رہی تھیں جبکہ راشدہ بیگم آج رابعہ بی بی (بڑی بھابھی) پہ فدا نظر آرہی تھیں انہیں باقاعدہ پیغام بھیج کر کمرے سے ڈرائنگ روم میں بلایا تھا اور انہی سے باتیں کیے جا رہی تھیں اور اس چیز پہ سردار بیگم کو بھی حیرت ہوئی تھی لیکن ایک گھنٹے بعد جب راشدہ بیگم نے اپنا مدعا بیان کیا تو سب کو سب سمجھ آگیا تھا یہاں تک کہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے داد بخش کے قدم بھی تھم گئے تھے۔

"اماں بیگم! آپ جانتی تو ہیں ناں کہ مہواہ کے لیے دیا ہوا رمیز کا پرپوزل ولی بھائی نے خود قبول کیا تھا جب ساجدہ نے قاسم علی کے لیے مہواہ کو مانگا تھا تو میں نے بھی مہواہ کی پیدائش کے بعد یہی سوال کیا تھا اور وہ خوشی خوشی مان گئے تھے۔"

راشدہ بیگم کی آمد کا جواز داد بخش کے سامنے کھل چکا تھا وہ وہاں سے الٹے قدموں واپس پلٹا تھا۔

"مہواہ تو بڑی ہوئی تو ساجدہ نے اس رشتے کا باقاعدہ اعلان کیا تھا' منگنی کی تھی پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟" سردار بیگم کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

"میں ایسا کیسے کرتی اماں بیگم؟ آج کل کے بچوں کو آپ جانتی تو ہیں ذرا سی ان کے مزاج کے خلاف بات کر دو تو اچھے اچھے دن ان کے موڈ ہی آف رہتے ہیں۔ میں ڈرتی تھی کہ نجانے بچوں کی پسند اور ناپسند کیا ہو گی لیکن شکر ہے کہ رمیز کو خود بخود ہی مہواہ کا خیال آگیا ہے' وہ اسے پسند کرنے لگا ہے شادی پہ آمادہ ہے اور اسی لیے میں آج بھاگی بھاگی چلی آئی ہوں۔" راشدہ [illegible] کہا تھا۔

"تم اور تمہارا بیٹا تو آمادہ ہو لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ مہواہ اور مہواہ کی والدہ کیا کہتی ہیں۔" انہوں نے بیٹی کو دھیمے رہنے کا کہا تھا۔

"مگر اماں بیگم! اس میں کہنے نہ کہنے کی بات کہاں سے آجاتی ہے؟ رشتہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے رابعہ بھابھی بھی جانتی ہیں یہ اسی روز پاس ہی تو تھیں۔" راشدہ بیگم نے حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تھا۔

"اس روز اور آج کے روز میں بڑا فرق ہے میری بچی!"

"لیکن اماں بیگم! زبان تو وہی ہے ناں؟" راشدہ نے زور دے کر کہا تھا۔

"زبان دینے والا مر چکا ہے۔" وہ بے تاثر انداز میں بولیں راشدہ بیگم اپنے شوہر قدیر ہمدانی اور پھر رابعہ بی بی کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں میں' تم یہ رشتہ تقریباً بھلا چکی تھیں اب اچانک کیسے یاد آگیا؟" اس بار راشدہ تھوڑا سا کھسیا گئیں لیکن پھر سنبھلنے میں بھی چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

بچوں کی وجہ سے چپ تھی۔"

"اور اب ہم بھی بچوں کی وجہ سے ہی چپ ہیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب تمہیں سوچ سمجھ کر بتائیں گے۔"

"مگر اماں بیگم!" راشدہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ وقت دو ہمیں۔" وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" مہپارہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ اک جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"یہ ہو چکا ہے۔" مہپارہ نے رسانیت سے کہا۔

"میں رمیز بھائی کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"وجہ؟" مہپارہ یوں پوچھ رہی تھی جیسے انجان ہو۔

"وجہ تم جانتی ہو مہپارہ!"

"میں جانتی ہوں ہاں؟ دادی بیگم نہیں جانتیں۔" مہپارہ نے کندھے جھٹکے۔

"تو تم بتا دو ان کو۔"

"میں کسی پہ ظلم نہیں کر سکتی۔"

"ظلم مگر کس پہ؟" مہپارہ کو حیرانی ہوئی۔

"داد بخش پہ۔"

"اس میں داد بخش کہاں سے آ گیا؟"

"اس میں داد بخش کو تم ہی تو لے کر آئی ہو ماہی! تمہارے کیے دھرے کی سزا داد بخش کو ملے گی۔ اس کا اس حویلی کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ ماہی! اسے ذلیل مت کرو، یہاں سے نکالا گیا تو کہاں جائے گا؟" مہپارہ نے اسے سمجھانے کے لیے ایک بار پھر ناکام کوشش کی تھی۔

"یہاں سے کیوں نکالا جائے گا؟ اگر دادی بیگم کو واقعی اس سے محبت ہے تو وہ اسے کبھی نہیں نکالیں گی۔"

"یہ تو بعد کی بات ہے ناں کہ کیا ہو گا؟ ابھی تو صرف یہ بتاؤ کہ ..."

"مہپارہ! میں کچھ بھی سوچنا اور سمجھنا نہیں چاہتی، میں نے جو کہہ دیا ہے۔ بس کہہ دیا ہے میں رمیز بھائی سے شادی نہیں کروں گی، میری طرف سے انکار ہے، میرا انکار دادی بیگم تک پہنچا دینا۔"

وہ کہہ کے وہاں سے چلی گئی تھی اور مجبوراً مہپارہ نے اس کا انکار دادی بیگم کے حضور پیش کر دیا تھا جس پہ انہوں نے مہپارہ کو اپنے کمرے میں طلب کیا تھا اور مہپارہ دل میں بہت سے ارادے باندھ کے ان کے حکم پہ حاضر ہوئی تھی۔

"جی دادی بیگم! آپ نے بلایا تھا مجھے؟" اس نے ان کے روبرو بیٹھتے ہوئے سر جھکا کر دھیمے لہجے میں پوچھا تھا لیکن اس کی سرکشی کی خوشبو اس کے اک اک انداز سے محسوس ہو رہی تھی۔

"تم نے رمیز کے لیے انکار کیا ہے؟"

"جی۔" اس نے اعتراف کیا۔

"میں تم سے انکار کی وجہ نہیں پوچھوں گی بلکہ یہ پوچھوں گی کہ کیا وہ بھی اس انکار میں شامل ہے جو اس انکار کی وجہ ہے؟" سردار بیگم کا سوال مہپارہ کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

"دیکھو میری جان! ... انصاف ... چاہے تمہاری دادی ہوں۔ آج سے بہت سال پہلے راشدہ نے قدیر کو پسند کیا تھا اور مجھ سے چھپایا تھا لیکن جب بات شادی پہ آئی تو اسے اپنا راز کھولنا پڑا۔ اس نے چوہدری امتیاز کے رشتے سے انکار کیا تھا لیکن میں نے انکار کی وجہ نہیں پوچھی تھی بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ جس کے ساتھ رخصت ہونا چاہتی ہو اسے اپنے ساتھ لے آؤ، وہ آ کر تمہارا ہاتھ مجھ سے مانگ لے۔ اس نے قدیر سے رابطہ کیا وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حاضر ہو گیا انہوں نے ہاتھ مانگا میں نے بیٹی کو دھوم دھام سے اس کے ساتھ رخصت کر دیا۔ کیونکہ مجھے پتا تھا کہ میں اگر انکار یا اختلاف کروں گی تو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا بلکہ الٹا مجھے ساری زندگی اس کی طرف سے دھڑکا لگا رہے گا اس لیے میں نے وہ

دھڑکا ہی ختم کر دیا عزت اور شرافت کے ساتھ۔"

وہ بات کرتے کرتے لمحہ بھر کو گویا سانس لینے کو رکیں۔

"اور آج اتنے سالوں بعد میری پوتی نے بھی وہی انکار کیا ہے۔ اس لیے میں آج بھی انکار کی وجہ نہیں پوچھوں گی، بلکہ یہی کہوں گی کہ جس کے ساتھ رخصت ہونا چاہتی ہو اسے اپنے ساتھ لے آؤ، وہ آ کر تمہارا ہاتھ مجھ سے مانگ لے۔"

سردار بیگم نے سپاٹ سے انداز میں کہہ کر بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور مہپارہ ہکا بکا سی دیکھتی رہ گئی۔

"لیکن دادی بیگم! میں کیسے؟"

"میں نے کہا ناں تم میرے سامنے اس گاؤں کے کسی کی کو بھی لے آؤ گی تو میں تمہاری شادی اس کے ساتھ کروں گی، کیونکہ اس حویلی نے کبھی کسی کے قدموں میں قید کی زنجیریں نہیں ڈالیں۔" انہوں نے فیصلہ سنا دیا تھا مہپارہ ششدر رہ گئی تھی۔

...

"رجائی! ... رجائی ... رجائی۔" مہپارہ خود پہ ضبط کرتی رجائی کو پکارے جا رہی تھی۔

"جی ماہی بی بی؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی سامنے آ گئی تھی۔

"داد بخش کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ رجائی چونک گئی تھی۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں رجائی؟" وہ چیخ کر بولی۔

"جی وہ تو کل سے ڈیرے پہ ہے۔"

"کب آئے گا؟"

"جی آج تو نہیں آئے گا۔ زمینوں پہ کام ہو رہا ہے۔"

"تو پھر اجو سے کہو گاڑی نکالے۔"

رجائی اجو کو گاڑی نکالنے کا پیغام پہنچانے چلی گئی۔

"ماہی! یہ کیا کر رہی ہو؟" مہپارہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

"ڈوبنے سے پہلے بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہوں۔" وہ آنکھوں کے نم گوشے رگڑتے ہوئے بولی۔

"اسے آزمائش میں مت ڈالو ماہی۔"

"اسے آزمائش میں نہ ڈالا تو میں نہ آر لگوں گی نہ پار۔" اس نے سختی سے جواب دیا۔

"جی ماہی بی بی! گاڑی تیار ہے۔" رجائی واپس آتے ہوئے بولی۔

"چلو میرے ساتھ۔" وہ رجائی کو اشارہ کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"گاڑی کی اسپیڈ تیز رکھو۔" اس نے اجو کو ہدایت دی... نے فوراً حکم کی تعمیل کی تھی گاڑی کا رخ ڈیرے کی طرف تھا۔

☼ ☼ ☼

اوائل مارچ کے دن تھے، موسم بہت خوب ... ہو رہا تھا لیکن وہ بہت بے چین تھا، دل میں ایک دھڑکا سا تھا کہ وہ پتا نہیں کیا کرے گی۔ اتنی آسانی سے تو بار ماننے والی نہیں ہے۔

لیکن اس نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مہپارہ اس کے پیچھے ڈیرے تک بھی پہنچ جائے گی۔ ان کے بڑے سے وسیع و عریض ڈیرے کے احاطے میں برگد کا بڑا سا درخت لگا ہوا تھا جس کی چھاؤں ڈیرے کے پورے صحن میں پھیلی ہوئی تھی اور اسی چھاؤں کے نیچے داد بخش چارپائی پہ اوندھا لیٹا نجانے کن سوچوں میں گم تھا کہ ڈیرے کے اندر آ کر رکنے والی گاڑی کے انجن بند ہونے کی آواز پہ یکدم سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"سردار بیگم کی گاڑی؟" اسے اچنبھا ہوا۔ وہ اک جھٹکے سے سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ گاڑی سے رجائی کی شکل نمودار ہوئی تھی اور اس کے بعد مہپارہ نیچے اتری۔

"مہپارہ بی بی...؟" داد بخش کی آنکھیں پھیل گئیں اس کے کانوں میں خطرے کا الارم بجا تھا۔

"تم لوگ جاؤ مجھے داد بخش سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اجو اور رجائی سمیت وہاں موجود تمام ملازموں کو ڈیرے کے احاطے

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی بی بی!" وہ لوگ سر جھکا کر باہر نکل گئے۔ مہماہ مضبوط قدم اٹھاتی اس کے سامنے آ رکی۔

"میں تمہیں لینے آئی ہوں، میرے ساتھ حویلی چلو۔" وہ داد بخش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی لیکن داد بخش نظر چرا گیا تھا۔

"کیوں؟"

"میرا ہاتھ مانگنے۔"

"میری آپ کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتی داد بخش؟"

"کیونکہ میں کرنا ہی نہیں چاہتا۔" اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"داد بخش تم کس کو دھوکا دے رہے ہو؟ مجھ کو؟ یا پھر اپنے آپ کو؟" مہماہ نے اسے گریبان سے پکڑ لیا تھا۔

"مہماہ بی بی دھوکا تو آپ دے رہی ہیں، وہ بھی صرف اپنے آپ کو۔" اس نے تلخی سے کہا تھا۔

"تم مجھ سے نظر ملا کر بات کیوں نہیں کرتے۔" وہ اس کا گریبان جھنجھوڑ کر بولی۔

"میں گستاخ ہونے سے ڈرتا ہوں۔"

"تم بزدل ہو حقیقت کے سامنے آنے سے ڈرتے ہو۔"

"آپ چلی جائیں بی بی! یکطرفہ سلسلے پائیدار نہیں ہوتے۔" اس نے ضبط کرتے ہوئے رخ موڑا۔

"یکطرفہ؟ میری طرف دیکھ کر کہو داد بخش کہ مہماہ ولی محمد کے تمام سلسلے یک طرفہ ہیں؟" اس نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا تھا۔ چند ثانیے داد بخش چپ رہا پھر اس نے جھکی نظر اٹھائی نین پیا کے چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"ہاں مہماہ بی بی! آپ کے سارے سلسلے یکطرفہ ہیں۔ آپ اس سفر میں تنہا ہیں اور تنہائی کا سفر بہت جلد تھکا دیتا ہے۔"

"داد بخش! کیا تمہارے دل میں میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے؟" وہ بے بسی سے بولی۔

ہیں۔ اس نے مہماہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور مہماہ ساکت ہو گئی تھی۔

"داد!" وہ زیر لب پکار کے رہ گئی۔

"معافی چاہتا ہوں مہماہ بی بی!" داد بخش نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے اور مہماہ اسے اور اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتی پیچھے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ داد بخش مزید دیکھ نہ سکا اور پلٹ کر دوسری طرف چلا گیا۔

برگد کے درخت پہ بیٹھی کوئل بڑی سریلی آواز میں رو رہی تھی اس کی کوک بہت دور تک جا رہی تھی لیکن مہماہ کے دل کی کوک اس کے دل کی دیواروں تک ہی ٹکرا کر رہ گئی تھی۔

دو نین تیرے، دو نین میرے
جدول پیار ہویا بن چار گئے
اے آ تو اپنی قسمت سی!
دو جت گئے، دو ہار گئے

مہماہ نے اپنی ہچکیوں کو دباتے ہوئے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا تھا لیکن رخساروں پہ بہنے والے آنسو نہیں رکے تھے....!

☼ ☼ ☼

رمیز اور مہماہ کی [illegible] سادہ [illegible] شادی [illegible] لیے [illegible] جلدی مچا دی تھی لیکن سردار بیگم اپنے مہماہ کی شادی کرنا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے کوئی ہامی نہیں بھری تھی لیکن دوسرے ہی روز ساجدہ بیگم بھی لیک جھپک حویلی آن پہنچی تھیں۔ وہ بھی اپنی بہو کو رخصت کرانے کی خواہش مند تھیں ... اور سردار بیگم کو بھلا کیا چاہیے تھا ایک ساتھ دو شادیوں کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ بھاگ دوڑ زیادہ داد بخش ہی کر رہا تھا۔ ہر کام اس کے ذمے تھا فرنیچر والوں کو آرڈر دینے کے بعد انویٹیشن کارڈز کا ڈیزائن پسند کرنے کے لیے حویلی آیا تھا اور اس کے بعد جیولر کے پاس بھی جانا تھا کپڑوں جوتوں کی خریداری کا کام تو عورتوں کو خود ہی کرنا تھا اس لیے بڑے بڑے اور

بھاری [illegible] رہا تھا۔

اس وقت بھی وہ "دی شادی کارڈ" لے کر نکل رہا تھا جب اپنے دھیان میں کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

"داد بخش۔۔؟" وہ اپنے نام پہ ٹھٹکا۔

"شاہ میر۔۔؟" داد بخش بھی اسے پہچان چکا تھا اور پھر دونوں یکدم ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے تھے۔

"تم کب آئے آسٹریلیا سے؟" داد بخش خوشگوار حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً" مہینہ ہو گیا ہے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن تم نے شاید نمبر ہی چینج کر لیا تھا؟"

"تم ملک چینج کر سکتے ہو تو کیا ہم نمبر چینج نہیں کر سکتے؟" داد بخش کو آج اپنے بھولے بچھڑے دوست سے مل کر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

"کر سکتے ہو جب [illegible] کر سکتے [illegible] لیکن [illegible] بھی [illegible] کہ اور [illegible] پچھلے چار سالوں میں؟" شاہ میر کا انداز [illegible] بھی تھا۔

"نمبر کے سوا کچھ بھی چینج نہیں کیا یار! اتنی اوقات ہی نہیں تھی۔" داد بخش استہزائیہ ہنسا تھا۔

"بس بس رہنے دے اپنی اوقات مجھ سے پوچھ یا پھر سردار بیگم سے پوچھ۔"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے میں خود ہی جانتا ہوں۔"

"لیکن تم شادی کارڈ شاپ میں کیا کر رہے تھے؟ کہیں تم شادی تو نہیں کر رہے؟" شاہ میر نے اندازہ لگایا۔ داد بخش بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"وہ در اصل سردار بیگم کی بڑی دونوں پوتیوں کی شادی ہے اسی لیے سب کام مجھے ہی کرنا پڑ رہے ہیں۔"

"چلو یار! کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"اس وقت جلدی میں ہوں پھر ملیں گے۔" پھر وہ ایک دوسرے سے نمبروں کا تبادلہ کرتے ہوئے

اے کیا تھا، وہ یونیورسٹی میں اس کا کلاس فیلو تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ گہری نیند سو رہی تھی جب اس کے موبائل پہ رنگ ہونے لگی چند سیکنڈ تو اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا پھر موبائل کی طرف دھیان گیا۔

"ہیلو؟"

"ہائی! میری جان کیسی ہو؟" دوسری طرف رمیز کی آواز تھی خمار آلود اور بوجھل سی۔

"آپ؟" مہماہ کے سوئے ہوئے احساسات بیدار ہو گئے تھے۔

"ہاں میں ہی ہوں رمیز، تمہارے انتظار اور تمہاری طلب میں پاگل، اک اک لمحہ گن کے گزارنے والا۔" رمیز کے اک اک لفظ سے بے تابی [illegible] چھلک رہی تھی۔

"آپ کس لہجے میں بات کر رہے ہیں؟" اس کی طرزِ گفتگو پہ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"تمہیں جب جب تنہائیوں میں سوچتا ہوں میرا لہجہ، میری آواز ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔"

"پلیز رمیز بھائی! کنٹرول یور سیلف۔۔۔ اینڈ مائنڈ یور لینگویج۔" اس نے ہولے سے تلخی سے کہا تھا۔

"یار اب کنٹرول ہی تو نہیں ہو رہا، پتہ نہیں یہ بائیس دن کیسے گزریں گے؟" رمیز پھر بھی باز نہیں آیا تھا۔

"بائیس دن کیسے گزریں گے، میں یہ تو نہیں جانتی لیکن میں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ آپ نے اگر مجھ سے بات کرنی ہے تو بائیس دن بعد فون کیجئے گا۔"

اس نے کہہ کر فون آف کر دیا تھا اور پھر تکیہ چہرے پہ رکھ کے سونے کے لیے لیٹ گئی لیکن دوسری طرف رمیز بھڑک رہا تھا۔ اس نے جب کچھ بھی ذہن میں نہ آیا تو داد بخش کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

وہ دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس لیے آج عشاء کی نماز پڑھنے کے فوراً بعد ہی سو گیا تھا۔ موبائل کے متواتر

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

بجے۔ نزدیک ہی بیدار ہوا تھا لیکن اسکرین پہ رمیز کا نمبر دیکھ کر چونک گیا۔

"رمیز صاحب کا فون اس وقت؟" اسے اپنے حواس ٹھکانے پہ لاتے ہوئے چند سیکنڈ لگے تھے اور پھر کال اٹینڈ کرلی تھی۔

"داد بخش! کہاں ہو تم؟"

"اپنے کمرے میں ہوں رمیز صاحب۔"

"یعنی حویلی میں ہی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"میرا ایک کام کرو۔"

"حکم کیجیے رمیز صاحب!" اس نے مؤدب سے لہجے میں کہا۔

"اس فون کو آن رکھو اور اپنی مہپارہ بی بی کو دے کر آؤ... میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" رمیز کا حکم داد بخش کے چودہ طبق روشن کر گیا تھا اس نے حیرت سے وال کلاک کی سمت دیکھا رات کے اڑھائی بجے کا وقت ہو رہا تھا۔

"اس وقت؟" داد بخش نے بے ساختہ کہا۔

"وہ میری منگیتر اور میری ہونے والی بیوی ہے میں اس سے کسی بھی وقت بات کرسکتا ہوں' انڈراسٹینڈ!" رمیز کا لہجہ تحکم آمیز تھا وہ چپ ہو گیا۔

"تو تم فون لے کر اس کے پاس جاؤ' اس کا اپنا فون آف جا رہا ہے۔" رمیز کے کہنے پہ داد بخش کو [illegible] سلیپر پہن کر باہر نکل آیا اس کا رخ مہپارہ کے بیڈروم کی طرف تھا سیڑھیاں طے کرتا وہ اس کے کمرے کے سامنے آرکا اور آہستگی سے دستک دی' پہلی دستک پہ کوئی رسپانس نہیں ملا تھا لیکن دوسری دستک پہ دروازہ چوپٹ کھل گیا تھا وہ ننگے پیر اور ننگے سر روئی روئی متورم آنکھوں سمیت اس کے سامنے تھی۔

اسے دیکھ کر وہ حیران کھڑی رہ گئی۔

"رمیز صاحب کا فون ہے آپ کے لیے۔" داد بخش نے فون آگے بڑھایا اور رمیز کا نام سنتے ہی مہپارہ کے تن بدن کو آگ سی لگ گئی تھی۔

"اپنے رمیز صاحب سے کہو کہ ابھی آرام کریں اور اطمینان رکھیں' مہپارہ وقی محمد آپ کی تیج بھی سجائے گی۔" وہ داد بخش کو براہ راست دیکھتے ہوئے اتنی اونچی آواز میں بولی کہ رمیز نے بھی بآسانی سنا تھا۔

"اسے کہو ایک بار میرا فون سنے۔" اس نے داد بخش سے کہا۔

"وہ ایک بار آپ سے بات کرنا...." ابھی الفاظ داد بخش کے منہ میں ہی تھے کہ مہپارہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا اور پوری قوت سے زمین پہ دے مارا تھا موبائل ٹکڑوں میں بدل گیا تھا اس کے کئی ٹکڑے سیڑھیوں سے نیچے بھی گرے تھے۔

"چلے جاؤ یہاں سے ورنہ تمہارا سر بھی پھاڑ دوں گی۔" وہ یکدم چلائی اور روتے ہوئے دھڑام سے دروازہ بند کرلیا تھا جبکہ داد بخش رات کے اس پہر ایسا ہنگامہ دیکھ کر خاموش رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مہرنگار....!"

"جی دادی بیگم؟" مہرنگار شادی کے لیے تیار کروائے جانے والے اپنے کپڑے پھیلا کر دیکھ رہی تھی جب سردار بیگم نے پکار لیا۔

"مہپارہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"راشدہ بھابھی نے فون کر کے کہا ہے کہ مہپارہ کو شہر بھیج دیں وہ اپنی پسند سے لہنگا خرید لے' اور یہ لڑکی ہر بار ٹال دیتی ہے اس سے کہو میری نرمی کا فائدہ نہ اٹھائے نہ جانے کون سے خود ساختہ روگ لگائے پڑی ہے۔ راشدہ اور قدیر کیا سوچتے ہوں گے اس کے بار بار انکار پہ۔"

"آپ پریشان نہ ہوں' میں اس سے کہتی ہوں چلی جائے گی وہ۔" مہرنگار نے انھیں تسلی دی اور وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

سردار بیگم اندر ہی اندر مہپارہ کی طرف سے خاصی پریشان بھی تھیں۔ اس لڑکی نے انھیں الجھا کے رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج شاہ میر نے اسے اپنے گھر بلایا تھا اور اس کے سامنے ایک پرکشش آفر رکھی تھی۔ داد بخش کتنے ہی لمحے حیرانی کے عالم میں شاہ میر کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" شاہ میر نے تعجب سے پوچھا۔

"تم یہ آفر کس بنیاد پر دے رہے ہو؟ ہمیں ملے ہوئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟"

"کیا مطلب داد بخش! ایک دوست ہونے کے ناتے اگر میں تمہیں بزنس میں شمولیت کی آفر کر رہا ہوں تو اس میں کیا بری بات ہے؟ پیسہ میں لگاؤں گا کام تم کرو گے بس اتنی سی بات ہے۔" شاہ میر نے کندھے اچکائے۔

"لیکن میرے پاس تو اتنا پیسا نہیں کہ میں کسی بزنس میں شراکت اختیار کروں....؟" داد بخش نے حقیقت بتائی۔

"یار میں [illegible] [illegible] میں لگاؤں گا یار تم [illegible] بیوی بچوں کا کچھ سوچو' شادی ہو گئی تو کیا دو گے انھیں؟ کیا سردار بیگم ہی بوجھ اٹھائیں گی؟" شاہ میر نے اسے فیصلے پہ اکسایا تھا۔

"نہیں شاہ میر! یہ تو میرا بھی اپنے آپ سے عہد ہے کہ جب تک خود کچھ نہ کرلوں شادی نہیں کروں گا۔" داد بخش کا لہجہ مضبوط تھا۔

"تو پھر کرو' دیر کس بات کی ہے؟" اور داد بخش سوچنے کا وقت لے کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

وہ سردار بیگم کو نہیں چھوڑ سکتا تھا' لیکن ساری زندگی ان پر انحصار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ہاں اگر دونوں کام ایک ساتھ ایڈجسٹ ہو جاتے تو پھر اچھا تھا وہ اپنے کام کرنے کی خواہش بھی پوری کر لیتا اور سردار بیگم کی ذمہ داریاں بھی.... اس وقت اس کے ذہن میں یہی کچھ چل رہا تھا وہ حویلی پہنچا تب بھی سوچ میں گم تھا

☆ ☆ ☆

"داد بخش! ادھر آؤ۔" ہاجرہ بیگم نے اونچی آواز میں پکارا۔

"جی بیگم صاحبہ؟" وہ فوراً قریب آیا تھا۔

"اجو سے کہو گاڑی نکالے میں نے اور مہپارہ نے شہر جانا ہے۔"

"اجو تو نہیں ہے اس کو لانڈری والوں کی طرف بھیجا ہے۔"

"اوہ ہم نے تو راشدہ بھابھی کو ٹائم دے رکھا ہے۔" ہاجرہ بیگم پریشان ہوگئیں۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ داد بخش کے ساتھ چلی جاؤ تم دونوں۔" سردار بیگم اندر داخل ہوئیں۔ مہپارہ صوفے پہ چپ بیٹھی تھی۔

"داد بخش! گاڑی نکالو۔" انھوں نے پوتی کا سر سہلاتے ہوئے داد بخش کو حکم دیا تھا۔

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے داد بخش کی نظر بے ساختہ بیک ویو مرر کی طرف گئی تھی۔ مہپارہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں وہ پہلے جب بھی اس کی گاڑی میں بیٹھتی تھی اپنی نظروں کو بیک ویو مرر پہ ہی فوکس کیے رکھتی تھی لیکن آج اس کی نظروں کی بے رخی بہت بڑی تبدیلی کا ثبوت تھی۔

☆ ☆ ☆

راشدہ بیگم انھی لوگوں کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ راشدہ بیگم کے صرف دو ہی بیٹے تھے رمیز بڑا تھا اور سمیر چھوٹا تھا سمیر اسٹڈی کی غرض سے دوستوں کے ساتھ ہاسٹل میں رہتا تھا جبکہ رمیز اتنے سالوں سے ابھی تک یونیورسٹی سے ہی چپکا ہوا تھا در اصل وہ کافی رنگین مزاج لڑکا تھا رنگوں اور خوشبوؤں میں رہنے والا یونیورسٹی سے نکلنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا اور آئندہ اس کے بزنس وغیرہ کے بھی کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کیونکہ اسے کام کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اسے بس "پکی پکائی" چاہیے تھی اور راشدہ بیگم اس

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

بھی۔۔۔! لیکن اس نے مہپارہ کو پسندیدگی کی سند بخش کر راشدہ بیگم کی سوچوں کو اک نیا رخ دے دیا تھا۔

مہپارہ کو بیاہ کر دوسری حویلی جانے والی تھی۔ مہرنگار اور وارث کافی چھوٹے تھے اور رہی مہپارہ تو وہ اس کی بیوی بن کے ہمیشہ کے لیے اس کی دسترس میں آجاتی۔ اس طرح وہ حویلی کا سرپرست بھی بن سکتا تھا کیونکہ حویلی میں ایک اس کی نانی بیگم تھیں اور ایک پھوپھی بیگم وہ کون سا اس پہ کوئی روک ٹوک کر سکتی تھیں؟ دونوں اس کی اپنی اور سگی تھیں۔ انہیں رمیز سے زیادہ عزیز بھلا کون ہو سکتا تھا؟ رمیز بیٹھے بیٹھے جاگیر کا مالک بن جاتا۔

آج مہپارہ ہونے والی بہو کے ناتے ان کے گھر پہلی بار آئی تھی۔ راشدہ بیگم اس کے واری صدقے جا رہی تھیں۔

"قدیر بھائی کہاں ہیں؟" ہاجرہ بیگم صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"وہ اسلام آباد گئے ہیں کسی کام سے نکل آجائیں گے۔"

"تم سناؤ میری جان کیسی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟ اتنی ست کیوں ہو رہی ہو؟" راشدہ بیگم نے مہپارہ کو بازو کے حلقے میں لے کر اپنے کندھے سے لگایا تھا۔

"شادی کے دنوں میں ہر لڑکی ایسی ہی ہو جاتی ہے۔" ہاجرہ بیگم نے مسکرا کر مہپارہ کو دیکھا تھا۔ کل وہ بھی بڑی خوش نظر آتی تھیں کہ چلو اس حویلی اور جاگیر میں میرے بھتیجے کا تو کوئی حصہ ہو ہی گیا ناں۔

"مارکیٹ کب چلنا ہے؟" ہاجرہ بیگم نے ٹائم دیکھا تین بج رہے تھے۔

"وہ میں نے جس بوتیک سے مہپارہ کا لہنگا تیار کروانا ہے اس کی ڈیزائنر چار بجے آتی ہے۔"

"ارے وہ داد بخش کہاں ہے؟" راشدہ بیگم نے یاد آنے پہ پوچھا۔

"باہر گاڑی میں ہوگا۔"

"ارے نہیں وہ باہر کیوں ہے بلائیں اس کو اماں

خود ہی اسے بلانے کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"رہنے دو اب ہمارے درمیان کہاں گھس کے بیٹھے گا؟ اماں بیگم نے تو اپنے ہر ملازم کو سر چڑھا رکھا ہے اور یہ تو ان کا چہیتا ہے آخر۔۔۔!" ہاجرہ بیگم ناگواری سے بولیں۔ مہپارہ نے اتنے عرصے میں پہلی بار آنکھیں اٹھا کر ہاجرہ بیگم کو دیکھا تھا اس کی نظروں میں کاٹ تھی لیکن اپنی بیزاری اور کوفت کے اظہار میں مگن ہاجرہ بیگم اس کی نظروں کی کاٹ محسوس نہیں کر سکی تھیں۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن اماں بیگم کی وجہ سے ہر وقت نبھانا پڑتی ہے۔"

راشدہ بیگم کہہ کر باہر چلی گئیں لیکن وہاں جا کر پتا چلا کہ داد بخش ان کے چوکیدار کے کوارٹر میں نماز پڑھنے گیا ہے۔ وہ چپ چاپ واپس لوٹ آئیں۔

"وہ ظہر کی نماز ادا کر رہا ہے شاید سفر کے دوران قضا ہو گئی تھی۔" ان کا لہجہ دھیما تھا۔ جبکہ ہاجرہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔ "ہونہہ! بڑا نیک اور باکردار بنتا ہے۔" انہوں نے اس کی عبادت پہ طنز کرنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔

راشدہ بیگم مہپارہ کے لیے ۔۔۔ تھیں کہ بوتیک ۔۔۔ پھر ان ۔۔۔ بلائی تھی ۔۔۔ نکلنا پڑ گیا تھا۔ وہ بھی نماز پڑھ کے آچکا تھا اور ابھی وہ لوگ بوتیک کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

وہ لوگ بوتیک کے سامنے اتریں تو مہپارہ، داد بخش کے پاس ٹھہر گئی۔

"تم بھی ساتھ آجاؤ، میرے دل کا بوجھ تو نہیں اٹھا سکے 'دل کی تباہی کا بوجھ ہی اٹھا لینا' میرا مطلب ہے کہ شاپنگ بیگ ہی اٹھا لینا 'ہیلپ ہو جائے گی۔" اس نے اک اک لفظ جل کر منہ سے ادا کیا تھا اور داد بخش اس کے ایسے زہر میں بجھے لفظوں پہ سن سا کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ وہیں کھڑا سوچ رہا تھا جب شاہ میر کی کال آگئی شاہ میر اپنا کاروبار سیٹ کرنے میں لگا ہوا تھا اور داد بخش کے

شادیوں سے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شاہ میر سے بات کرتے ہوئے بوتیک سے باہر سیڑھیوں پہ آ کھڑا ہوا تھا لیکن شاہ میر اس کی غائب دماغی فوراً نوٹ کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا جب وہ لوگ شاپنگ سے فارغ ہوئے تھے اور واپس راشدہ بیگم کے گھر آتے ہوئے انہیں بارہ بج گئے تھے سردار بیگم شام سے اب تک انہیں کئی بار فون کر چکی تھیں۔

"اماں بیگم! کیا بات ہے؟ آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں کیا ہاجرہ بھابھی اور مہپارہ کسی غیر کے گھر آئی ہوئی ہیں؟" راشدہ بیگم نے تھک کر صوفے پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"غیر کی بات نہیں ہے راشدہ! دراصل مہپارہ مایوں کی دلہن ہے کل شام اس نے مایوں بیٹھنا ہے اور وہ گھر سے باہر گھوم رہی ہے ہمارے ہاں ایسا نہیں ۔۔۔ شادی کی تاریخ ۔۔۔ نکلتی ۔۔۔ تو میں نے تمہاری اور ۔۔۔ کی ضد ۔۔۔ سے بھیج دیا۔"

"ارے تھیں اماں بیگم! کوئی بدشگونی نہیں ہوتی وہ زمانے اور تھے ایسے وہم پالنے والے، آپ بے فکر رہیں مہپارہ اپنے گھر میں ہے چند دن بعد بھی تو اس نے اسی گھر میں آنا ہے ناں؟"

"خیر چھوڑو وہ واپس کب آ رہی ہیں؟"

"آج وہ واپس نہیں آئیں گی بارہ بجے کا ٹائم ہو رہا ہے اور ابھی مہپارہ کے لہنگے سے میچنگ زیور بھی لینا ہے۔ یہ اپنی جیولری پسند کر کے ہی جائے گی۔"

راشدہ بیگم کی بات پہ سردار بیگم کو پریشانی لاحق ہوئی۔ "لیکن راشدہ۔۔۔؟"

"اماں بیگم! کیا آپ کو ہم پہ اتنا بھی اعتبار نہیں؟" راشدہ بیگم نے افسوس کا اظہار کیا تو سردار بیگم چپ ہو گئیں۔

"داد بخش کو واپس بھیج دوں؟"

نہیں میں داد ۔۔۔ لیے بیڈ روم کھلواؤ کافی تھک چکا ہوگا۔" انہوں نے فوراً روک دیا تھا۔

"او کے میں اس کے سونے کا انتظام کرواتی ہوں اب آپ بھی سو جائیے۔" راشدہ بیگم نے فون بند کر دیا تھا۔

پھر ملازمہ سے کہہ کر انہوں نے ہاجرہ بیگم اور مہپارہ کے لیے بیڈ روم کھلوائے تھے۔ داد بخش کے لیے تو گیسٹ روم کھولا تھا۔ مہپارہ کافی تھکی ہوئی اور بیزار ہو رہی تھی وہ فوراً ہی سونے کے لیے چلی گئی۔ وہ دونوں خواتین باتیں کرتی رہیں۔

رات کے ایک بجے قدیر ہمدانی کی اسلام آباد سے واپسی ہوئی تو ان کو اٹھنے کا خیال آیا تھا۔ قدیر ہمدانی اپنی بہن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن باتیں کرنے کا ارادہ کل صبح ۔۔۔ تک ملتوی کر کے بیڈ روم میں چلے گئے لیکن راشدہ بیگم پھر بھی بیڈ روم میں نہ گئیں وہ اکیلی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

انہیں رمیز کا انتظار تھا تاکہ اس کا کسی سے سامنا نہ ہو کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اس وقت گھر واپس آیا تو اپنے حواسوں میں نہیں ہوگا اور راشدہ بیگم کے خدشے کے عین مطابق وہ جب گھر میں داخل ہوا تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اس کے دوست اسے گیٹ تک چھوڑ کے گئے تھے۔

"آپ۔۔۔ جاگ رہی ہیں؟" رمیز کو انہیں اکیلے بیٹھے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں تمہارے انتظار میں۔۔۔!"

"واؤ میرے 'میرے انتظار میں مگر کیوں؟" رمیز سیڑھیوں کی ریلنگ تھام کے بمشکل کھڑا تھا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ تمہیں اس حالت میں شادی سے پہلے حویلی کا کوئی بھی فرد دیکھے۔" وہ غصہ دباتے ہوئے بولیں۔

"حویلی۔۔۔ کا فرد؟ یہاں کیسے؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"ہاجرہ بھابھی 'مہپارہ اور داد بخش یہاں ہی ہیں' شاپنگ کرتے ہوئے لیٹ ہو گئے تھے اس لیے میں نے

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

میں لیکن کروٹ لیا ہے اب جیسے کے اپنے بیڈ روم میں جاؤ اور صبح اپنا حلیہ درست کر کے سامنے آنا۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں لیکن رمیز کا نشے میں ڈوبا ہوا ذہن ایک ہی لفظ پہ اٹکا رہ گیا تھا ــــ مہاوہ!

"اب کھڑے کیوں ہو؟ جاؤ اپنے بیڈ روم میں۔" وہ پلٹ کر دبے لہجے میں دوبارہ اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"جا تا ہوں ڈیئر ماما۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہتا اوپر آگیا اور اپنے بیڈ روم میں آکر اس نے پہلا کام یہی کیا کہ اپنی شرٹ اتار کر پھینکی اور صوفے پہ گر کر سگریٹ پینے لگا لیکن لگاتار دو تین سگریٹ پینے کے باوجود اس کا ذہن اس نام کی گرفت سے آزاد نہیں ہوا تھا۔ وہ بالآخر اٹھ کر بیٹھ گیا اور جارحانہ تیوروں سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے باری باری بیڈ روم چیک کیے ہاجرہ بیگم جس بیڈ روم میں تھیں اس کا لاک اوپن تھا لیکن جس بیڈ روم میں مہاوہ سو رہی تھی وہ اندر سے لاک تھا۔

"ابھی کھول لیتا ہوں۔" اس پر شیطانیت سوار ہو چکی تھی۔ وہ سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے کچن میں آیا تھا اور کچن کا وہ کیبنٹ کھولا جہاں راشدہ بیگم گھر کے کمروں کی چابیاں رکھتی تھیں۔ چابیوں کا گچھا اٹھا کر اسے مہاوہ کے بیڈ روم میں آنے میں بس پانچ منٹ لگے تھے اس نے بغیر کوئی آہٹ پیدا کیے دروازے کا لاک کھولا اور ہینڈل گھما کر اندر آگیا اور اندر داخل ہو کر دروازہ لاک کر دیا مگر وہ اپنی فتح کے عالم میں یہ بھول گیا کہ وہ چابیوں کا گچھا باہر دروازے کے لاک میں ہی جھولتا ہوا چھوڑ آیا ہے۔

مہاوہ جس بیڈ روم میں سو رہی تھی اس کا لیمپ خراب تھا اس لیے اسے ایک انرجی سیور جلا کر سونا پڑا تھا اور اس انرجی سیور کی روشنی میں رمیز کی گہری نظریں اس پہ جم گئی تھیں اس کی ہونے والی بیوی اس کو دھتکار کر بات کرنے والی حسینہ آج اس کے سامنے تھی۔

☼ ☼ ☼

یہ اس کے لیے نئی جگہ تھی اس لیے اسے کوشش کے باوجود نیند نہیں آرہی تھی وہ نجانے کتنی بار کروٹیں بدل چکا تھا اس گیسٹ روم میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی کہ وہ اپنا ٹائم ہی پاس کر لیتا اور نہ ہی وہ اٹھ کر باہر جا سکتا تھا کیونکہ وہ یہاں مہمان تھا اور کسی کے گھر میں یوں رات کے وقت اٹھ کر گشت کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ حویلی میں ہوتا تو اور بات تھی اسی لیے وہ زبردستی آنکھیں بند کیے لیٹا رہا لیکن جیسے ہی اس کے موبائل پہ رنگ ہوئی وہ چونک گیا تھا کیونکہ کال سردار بیگم کی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کال ریسیو کی۔

"کیا بات ہے تم جاگ رہے تھے؟" انہیں اتنی جلدی کال ریسیو ہونے پہ حیرت ہوئی تھی۔

"جی وہ دراصل نئی اور اجنبی جگہ ہے اس لیے نیند نہیں آرہی۔" اس نے وضاحت دی۔

"تو تم رمیز کے پاس بیٹھ جاتے تھوڑی دیر کے لیے؟"

"رمیز صاحب گھر نہیں تھے ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں اور اس وقت میں ان کے پاس کیا بیٹھتا۔" اس نے ... کر کہا۔

"کیوں رمیز کہاں گیا ہوا تھا؟"

"شاید اپنے دوستوں کے ساتھ گئے تھے۔"

"مہاوہ اور ہاجرہ سو گئی ہیں؟"

"جی وہ تو سو گئی ہیں لیکن آپ کیوں جاگ رہی ہیں اس وقت؟"

"بس میرا بچہ میرا دل یونہی لیٹے لیٹے گھبرانے لگا تو میں اٹھ کر بیٹھ گئی آج ولی محمد اور اس کے باپ کی بہت یاد آرہی تھی۔ آج وارث کی ماں گھر پہ نہیں تھی اسی لیے وہ میرے پاس سونے کے لیے آگیا اور اس کی صورت دیکھ کر ولی محمد کی شکل آنکھوں میں گھومنے لگی ہے۔ دل پہ اداسی چھا گئی ہے۔" سردار بیگم کی آواز میں نمی اتر آئی تھی۔

"سردار بیگم! اتنی اداسی اور مایوسی وہ بھی آپ کے لیے ہیں؟" داد بخش نے حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"داد! میرے بچے میں بھی انسان ہوں بوڑھی ہو چکی ہوں مگر اپنے بچوں کے لیے خود کو جوان رکھتی ہوں لیکن کب تک ایسا کروں گی؟ اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ میرے پوتوں کو آباد کرے اور مجھے جیتے جی تمہاری خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" انہوں نے بھیگے لہجے میں کہتے ہوئے دعا دی تھی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا اور اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پہ سلامت رکھے۔" وہ بھی دل کی گہرائیوں سے بولا تھا۔

"داد! تم مجھے بتاؤ مہاوہ نے اب تو تم سے کوئی بات نہیں کی؟" سردار بیگم کی سوئی مہاوہ پہ آن رکی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ انہیں جواب دیتا کسی کی چیخوں کی آواز پہ داد بخش بری طرح چونک گیا تھا۔

"داد بخش! تم چپ کیوں ہو؟"

"دادی! ... اور آواز آرہی ہے باہر شور سا ہے۔" وہ جوتے پہن کر باہر نکلا تھا۔

"کیسا شور ہے؟" سردار بیگم کے دل پہ ہاتھ پڑا۔

"مہاوہ بی بی کی آواز ہے میں دیکھتا ہوں۔"

داد بخش موبائل بند کر کے جیب میں ڈالتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

مہاوہ دروازہ پیٹ رہی تھی اور ساتھ ہی چیخ رہی تھی۔

"بچاؤ۔" وہ بلند آواز سے پکاری۔

"تمہیں کوئی بھی نہیں بچائے گا اس وقت سب نیند میں ڈوبے ہوئے ہیں۔" رمیز کی خباثت زدہ آواز پہ داد بخش کے قدم تیز ہو گئے تھے اس نے جاتے ہی دروازے کو ٹھوکر ماری تھی لیکن دروازہ لاک تھا۔

"مہاوہ بی بی!" داد بخش نے اونچی آواز میں پکارتے ہوئے اپنی طرف سے اسے تسلی دی تھی۔

"داد! دروازہ کھولو داد!" وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپی اور داد کی نظر چابیوں کے گچھے کی طرف گئی تھی اللہ نے خود ہی مدد کی سبیل نکال دی تھی۔ اس نے تیزی سے چابی گھمائی اور دروازہ دھڑام سے کھول دیا تھا۔ سامنے مہاوہ کے منہ پہ رمیز کا ہاتھ جما ہوا تھا وہ اس کی آواز کا گلا گھونٹنا چاہتا تھا اور داد بخش کا مہاوہ کو بغیر دوپٹے کے اس حال میں دیکھ کر خون کھول اٹھا تھا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چھوٹتے ہی اپنے فولادی ہاتھ کا مکا رمیز کے منہ پہ رسید کیا تھا۔ رمیز کو داد بخش سے اس حرکت کی توقع نہیں تھی جبھی اچانک حملے سے بچ نہ سکا اور پیچھے کی طرف دیوار کے ساتھ جا لگا۔ ساتھ ہی منہ سے کراہ نکلی تھی۔

"داد بخش! یہ کیا کر رہے ہو؟" ہاجرہ بیگم قدیر ہمدانی اور راشدہ بیگم بھی ننگے پیر بھاگتے ہوئے اوپر آئے تھے لیکن اوپر مہاوہ کے بیڈ روم کی صورت حال دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں مہاوہ کی قمیص بازوؤں سے پھٹی ہوئی تھی دوپٹہ نیچے قالین پہ مجروح پڑا تھا اس کے بال بکھرے ہوئے اور چہرا تھپڑوں کے نشان سے سرخ پڑ رہا تھا۔ ہاجرہ بیگم کی ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔

"اس ذلیل کو سزا دے رہا ہوں اس کا خون پی جاؤں گا میں ــــ اس نے سردار بیگم کی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے میں اس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔"

داد بخش کی آنکھوں سے ہی نہیں منہ سے بھی شعلے نکل رہے تھے۔

"بس کرو کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" راشدہ بیگم بیٹے کی درگت بنتے نہیں دیکھ سکی تھیں۔

"آپ دیکھ نہیں رہیں کیا ہو رہا ہے؟" داد بخش یکدم دھاڑا۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" راشدہ بیگم غصے سے بولیں۔

"میں اسی لہجے میں بات کر رہا ہوں جس لہجے کو آپ ٹھیک طرح سے سمجھ سکیں گی۔" داد بخش نے پلٹ کر زمین پہ گرا دوپٹہ اٹھایا اور مہاوہ کے گرد خود ہی لپیٹ دیا تھا۔ اس وقت وہ کوئی اور ہی داد بخش نظر آرہا تھا۔ بے خوف، نڈر اور غصیلا۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

ایک لمحے کے لیے تو روتی بلکتی مہواہ نے بھی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے ماما! میں اپنے بیڈ روم میں سونے کے لیے جا رہا تھا کہ مجھے مہواہ کے کمرے سے باتوں کی آواز آئی اور میں اس طرف آگیا دروازہ اندر سے لاک تھا اسی لیے میں کچن سے چابیاں لے آیا اور ــــ اور جب دروازہ کھولا تو یہ دونوں ــــ یہ دونوں اپنی ہی رنگ رلیوں میں گم نظر آئے ــــ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنا الزام میرے سر ڈال دیا اور اس نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔"

رمیز نے مکاری کی حد کر ڈالی تھی۔ جس پہ داد بخش اور مہواہ اپنی جگہ پہ دم بخود رہ گئے تھے جبکہ راشدہ بیگم کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں ـ انہیں بیٹے کا پلان سمجھ میں آگیا تھا کہ اب بچنے کا یہی طریقہ تھا!

"سنا ہاجرہ بھابھی؟ سنا آپ نے یہ کیا گل چھرے اڑا رہے تھے؟ یہ ہو رہا تھا یہاں؟" راشدہ بیگم نے پاٹ دار آواز میں کہتے ہوئے اپنے سینے پر دو ہتھڑ مارا تھا لیکن ہاجرہ بیگم جو ساکت کھڑی نظر آ رہی تھیں ان کا دل رمیز کی جھوٹی کہانی پہ ایمان نہیں لایا تھا۔ وہ بے شک داد بخش سے خار کھائے رہتی تھیں لیکن داد بخش کے کردار پہ انہیں رتی برابر بھی شک نہیں تھا۔

"پھپھو ــــ؟" مہواہ کی آواز جیسے کنویں [illegible] دی تھی۔

"مر گئی پھپھو! تم نے حویلی کے نوکر کے ساتھ منہ کالا کر کے ہماری عزت کا جنازہ نکال دیا ہے' اگر اتنا ہی پسند تھا یا اتنی ہی عشق و عاشقی تھی تو میرے بیٹے پہ ڈورے ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟ پہلے ہی بتا دیتیں اور یہ ــــ یہ ہماری حویلی میں اسی لیے آیا تھا ہماری ہی عزت میں نقب لگانے کے لیے۔" راشدہ بیگم کا واویلا شروع ہو چکا تھا۔

"راشدہ! یہ کیا بکے جا رہی ہو؟ آرام سے بیٹھ کر ساری بات سمجھاؤ۔" قدیر ہمدانی نے پہلی بار مداخلت کی تھی۔

"سمجھانے کو رہ ہی کیا گیا ہے؟ میں ابھی فون کرتی ہوں اماں بیگم کو ــــ" راشدہ بیگم نیا گیم کھیلنے کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔

"راشدہ بھابھی! اس وقت اماں بیگم کو کچھ مت بتائیں۔" ہاجرہ بیگم نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"کیوں نہ بتاؤں؟ انہوں نے ایک عمر ہو گئی یہ سانپ لا کر ہمارے سینے پہ بٹھا رکھا ہے' آج اس سانپ نے ڈس ہی لیا نا!"

راشدہ بیگم' داد بخش پہ قہر آلود نظر ڈالتے ہوئے بولیں' وہ چپ کھڑا تھا۔ لیکن اس دوران ہی ان کا موبائل بجنا شروع ہو گیا تھا کال کرنے والی سردار بیگم ہی تھیں ـ راشدہ بیگم کو پتہ چل گیا تھا تب ہی داد بخش کے ہاتھ سے فون جھپٹ کر کان سے لگایا تھا۔

"اماں بیگم! کہاں ہیں آپ؟ آئیے اور اپنے چہیتے کے کرتوت دیکھیے' ہماری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے اس نے نمک حرام نکلا ہے آپ کا یہ لاڈلا ــــ"

"کس کی بات کر رہی ہو؟" سردار بیگم کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آپ کے داد بخش کی ــــ" اس کی طرف دیکھتے ہوئے راشدہ بیگم نے چبا چبا کر کہا تھا اور [illegible] سے فون بند [illegible]

داد بخش نے ان پہ ایک ملامت سی نظر ڈالی اور پھر سب پہ عجب تاک نظروں سے دیکھتا ہوا مہواہ کا ہاتھ پکڑ کر ان سب کے درمیان سے نکلتا چلا گیا تھا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر گاڑی سے اپنی چادر نکال لایا اور چادر مہواہ کو اوڑھا دی۔

"آپ چپ ہو جائیں' کچھ نہیں ہو گا' سردار بیگم بس پہنچنے والی ہوں گی۔"

داد بخش نے ڈرائنگ روم میں ٹہلتے ہوئے وال کلاک دیکھا۔

"لیکن انہیں تو ابھی پتا چلا ہے۔"

"نہیں انہیں بھی اسی وقت پتہ چل گیا تھا جس وقت مجھے پتہ چلا تھا۔" داد بخش کی بات پہ مہواہ کچھ نہ سمجھی لیکن مزید کچھ بولی بھی نہیں تھی ـــ وقت تھا کہ گزر ہی نہیں رہا تھا سوئیاں ایک ہی جگہ پہ جمی تھیں۔

☆ ☆ ☆

باہر گاڑی کے ہارن کی آواز سنتے ہی جہاں راشدہ بیگم اور رمیز اپنے اپنے محاذوں پہ الرٹ ہوئے تھے وہیں داد بخش کی پریشانی قدرے کم ہو گئی تھی لیکن مہواہ جو اس کا دامن چھوڑ بیٹھی تھی' وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی اور گاڑی سے اترتی سردار بیگم سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ان کے پیچھے قاسم علی کی گاڑی تھی اور قاسم علی کے ساتھ ساجدہ بیگم بھی تھیں۔

"مہواہ! کیا ہوا ہے بیٹا؟ کچھ بتاؤ تو؟" رابعہ بی بی نے آگے بڑھ کے مہواہ کو سردار بیگم سے الگ کرنا چاہا۔

"دادی بیگم! وہ رمیز ــــ رمیز نے ــــ" اس کی آواز حلق میں ہی دب گئی تھی' قاسم علی بھی مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا تھا۔

"ماہی! اندر بیٹھ کر بات کرو۔" انہوں نے اسے کندھوں سے تھاما اور [illegible] اندر آگئیں۔

"اماں بیگم! دیکھا آپ نے؟ کیا گل کھلائے ہیں آپ کے ــــ"

"بس راشدہ' بس' بند کرو اپنی زبان' پہلے مجھے مہواہ سے پوری بات سن لینے دو۔" انہوں نے سختی سے کہتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا تھا۔

"یہ آپ کو کیا بتائے گی؟ کبھی چور نے بھی اپنی چوری بتائی ہے بھلا؟" وہ طنزیہ بولیں۔

"چور اپنی چوری نہیں بتاتا لیکن واویلا بہت کرتا ہے جو اس وقت صرف تم کر رہی ہو۔" سردار بیگم بھی ان ہی کی ماں تھیں۔

"اماں بیگم! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ کو میری بات پہ یقین نہیں اور اس دو ٹکے کے نوکر پہ یقین ہے؟" راشدہ بیگم کے انداز میں حقارت اتر آئی تھی۔

"دو ٹکے کا وہ نہیں' دو ٹکے کا تمہارا بیٹا ہے۔" سردار بیگم نے کوئی بھی لحاظ رکھے بغیر بیٹی کو آئینہ دکھایا تھا وہاں موجود سب ہی نے چونک کر سردار بیگم کو دیکھا تھا جن کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی لیکن اس بات پہ راشدہ بیگم کو پتنگے لگ گئے تھے۔

"آپ میرے بیٹے کو دو ٹکے کا کہہ رہی ہیں؟ اس گھٹیا' لاوارث کے لیے آپ میرے بیٹے پہ انگلی اٹھا رہی ہیں؟ اس کی اوقات ہی کیا ہے؟ جس کو اس کے اپنوں نے کتے کی طرح دھتکار کر پھینک دیا تھا اور آپ اسے اٹھا کر گھر لے آئیں؟ میرے باپ اور بھائیوں کے ٹکڑوں پہ پلنے والے کو آپ میرے برابر' میرے مقابل کھڑا کر رہی ہیں؟ اس نمک حرام کی خاطر آپ مجھے ــــ"

"چٹاخ ــــ" سردار بیگم کے بوڑھے ہاتھ میں بھی اس قدر طاقت آ گئی تھی کہ راشدہ بیگم کو دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔

"اماں بیگم!" ساجدہ نے لپک کے سردار بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔

"پیچھے ہٹو ساجدہ! مجھے آج بتانے دو کہ داد بخش کی اوقات کیا ہے؟" انہوں نے ساجدہ کو پیچھے دھکیل دیا تھا ــــ "داد بخش جیسا کردار تمہاری آنے والی سات نسلوں میں بھی کسی کا نہیں ہو گا۔ اس کا چلن کیسا ہے یہ صرف میں جانتی ہوں صرف میں ــــ یہ صرف داد بخش ہی تھا جو مجھے آ کر یہ بھی بتا رہا تھا کہ سردار بیگم آپ کی پوتی نادانی کر رہی ہے' اسے روکیے' اسے سمجھائیے' نادان ہے وقت کا فرق نہیں سمجھتی۔"

مہواہ نے تڑپ کر حیرت زدہ سے انداز میں داد بخش کو دیکھا یعنی اس نے سردار بیگم کو پہلے ہی سب کچھ بتا رکھا تھا ــــ؟

"اور تم یقین کی بات کرتی ہو؟ مجھے اس پہ اور اس کے کردار پہ تو یقین ہے لیکن تمہارے کردار پہ نہیں ہے ــــ تم اس وقت اپنے بیٹے کے بجائے مہواہ اور داد بخش کا ساتھ دیتیں تو شاید مجھے تم پہ بھی یقین آ ہی جاتا۔"

"آپ یہ کس بنیاد پہ کہہ سکتی ہیں کہ داد بخش بے قصور ہے؟" راشدہ پھنکار کے بولیں۔

"قاسم علی! دکھاؤ اسے میرا فون' جس وقت

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

تمہارے بیٹے نے میری پوتی' میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ اس وقت داد بخش کے ساتھ فون پہ بات کر رہی تھی۔"

انہوں نے ایک اور انکشاف کیا تھا۔ راشدہ بیگم کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ قدر ہمدانی' رمیز اور ہاجرہ بیگم بھی چونک گئے تھے یہاں تک کہ مہوا نے بھی حیرت اور بے یقینی سے دیکھا تھا۔

"تمہارے بیٹے کے گھٹیا کرتوت کا مجھے بتا کے ہی پتا چل گیا تھا اسی لیے قاسم علی اور ساجدہ کو فون کر کے حویلی سے نکل آئی' شکر ادا کرتی ہوں اپنے رب کا' جس نے میری بچی کو برباد ہونے سے بچا لیا' شادی کے بعد اصلیت سامنے آتی تو میں ولی محمد کو کیا منہ دکھاتی؟"

انہوں نے انتہائی نفرت و حقارت سے کہتے ہوئے رمیز کو دیکھا تھا۔

"اماں بیگم...!"

"خبردار اپنی گندی زبان سے مجھے اماں مت کہنا۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر روک دیا تھا۔

"لہنگا کہاں ہے ہاجرہ؟" ان کے اگلے سوال پہ وہ سب ایک بار پھر چونکے تھے۔

"وہ... وہ مہوا کے کمرے میں رکھا تھا شاید۔" ہاجرہ بیگم گھبرا گئیں۔

"جاؤ لے کر آؤ..." ان کے حکم پہ ہاجرہ بیگم فوراً لہنگا لے آئی تھیں۔

"کتنے کا لیا تھا؟"

"جی جی... پچاس ہزار کا..." ہاجرہ بیگم نے بوکھلاہٹ میں جواب دیا۔

"رجائی پرس سے پچاس ہزار نکال کر میرے ہاتھ پہ رکھو۔" انہوں نے سب سے پیچھے کھڑی رجائی کو حکم جاری کیا... اور عجلت میں رجائی نے پانچ پانچ ہزار کے دس نوٹ نکال کر ان کے ہاتھ پہ رکھ دیے۔

"یہ میری بچی کے پہلے شگن کا جوڑا ہے' سہاگ کا جوڑا اس لیے اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی' وہ اپنی شادی کے دن یہی پہنے گی۔"

انہوں نے پچاس ہزار راشدہ بیگم کے منہ پہ دے مارے تھے۔

"شادی؟" ایک بار پھر سب چونکے تھے۔

"ہاں! شادی اس کے ساتھ شادی جو اس کا شوہر بننے کا حق رکھتا ہے' جو بد چلن اور بد کردار نہیں ہے اور یہ نیچی نظر اور اونچے ایمان والا اور کون ہو سکتا ہے سوائے میرے داد بخش کے؟"

سردار بیگم نے فخر سے سر بلند کرتے ہوئے داد بخش کی طرف دیکھ کر دھماکا کیا تھا۔ وہاں موجود تمام نفوس دم بخود کھڑے رہ گئے تھے۔ داد بخش ششدر سا ان کو دیکھ رہا تھا...!

☼ ☼ ☼

فجر کی اذان ہو رہی تھی' جب وہ لوگ واپس حویلی پہنچے تھے وہ سب اندر کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن داد بخش باہر ہی رک گیا تھا۔

"تم کیوں رک گئے؟" قاسم علی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔"

"واپسی پہ مولوی صاحب کو اپنے ساتھ لیتے آنا۔" سردار بیگم نے پلٹ کر [illegible]

"سردار بیگم [illegible]

"قاسم علی! جاؤ اس کے ساتھ' آج تم بھی ثواب کماؤ' فجر کی نماز پڑھو اور واپسی پہ اس کے ساتھ ہی مولوی صاحب کو بھی لے آنا' صبح کا سورج نکلنے سے پہلے ہی نکاح ہو جائے تو بہتر ہے' رخصتی مہوا کے ساتھ ہی ہوگی۔" سردار بیگم کے حکم سے انکار بھلا کسے تھا؟ قاسم علی داد بخش کے ساتھ ہی مسجد چلا گیا تھا...!

اور جب وہ دونوں نماز پڑھ کے مولوی صاحب کو ساتھ لے کر حویلی آئے تو وہاں دوسری حویلی کے بھی تمام افراد آئے ہوئے تھے... اور یقیناً ان کو سردار بیگم نے ہی بلایا تھا۔

"مولوی صاحب پہلے قاسم علی اور مہوا کا نکاح

پڑھائیں' مہوا بڑی بیٹی ہے پہلے اسی کا نکاح ہو گا۔"

لیکن قاسم علی کے نکاح کے بعد جب داد بخش کی باری آئی تو وہ سراپا لرز اٹھا تھا۔ اسے لگا سردار بیگم اسے زمین سے اٹھا کر عرش پہ بٹھا رہی ہیں۔

"داد بخش' سمجھو کہ تمہاری دعا بھی قبول ہو گئی ہے' ویسے بھی تم نے تو نمازیں بھی بہت پڑھی ہیں اور دعائیں بھی بہت مانگی ہیں۔" قاسم علی نے داد بخش کو کہنی مارتے ہوئے چھیڑا تھا۔

اور پھر سب کی موجودگی میں سردار بیگم نے اپنی پوتی داد بخش کی زوجیت میں دے دی تھی۔ انہوں نے اپنی عزت اسے سونپ ڈالی تھی... ہر طرف مبارک سلامت کا شور مچ گیا تھا لیکن داد بخش سردار بیگم کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"سردار بیگم! میں آپ کا نوکر آپ کا خادم اس قابل نہیں تھا' میں آپ کے قدموں کی خاک بھی نہیں تھا آپ نے مجھے عرش پہ بٹھا دیا ہے۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

سردار بیگم نے اسے کندھوں سے تھام کے کھڑا کیا اور اپنے سینے سے لگا لیا تھا... "امیر تو تم نے مجھے کیا ہے' آج تم نہ ہوتے تو اس حویلی کی عزت تاریکیوں میں ڈوب جاتی... اللہ تمہیں زندگی دے' خوش رکھے' آباد رکھے۔" انہوں نے داد بخش کی پیشانی چوم کر اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"اماں بیگم! منہ میٹھا کریں۔" رابعہ بی بی خود ٹرے میں مٹھائی لیے آ گئیں اور وہاں بیٹھے تمام افراد کا منہ میٹھا کرانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

داد بخش پہلی فرصت میں شاہ میر کے پاس گیا تھا اور اس کی آفر قبول کر لی۔

"اس آفر کے ساتھ جو تم نے سہولیات پیش کی تھیں ان کا جلدی سے انتظام کرو۔" داد بخش نے گاڑی اور فلیٹ کی بات کی تھی۔

"کیا مطلب؟ اتنی جلدی کس لیے ہے؟" شاہ میر تو حیران ہوا۔

"آج سے ٹھیک چھ دن بعد میری شادی ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کس کی؟ تمہاری؟" شاہ میر کو اچنبھا ہوا۔

"وہ مہوا بی بی کی۔"

"لیکن کس کے ساتھ؟"

"میرے ساتھ یار اور کس کے ساتھ؟"

"سچ؟" شاہ میر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"ارے یہ کیسے ہوا؟"

"بس یار! اب کچھ اتنا اچانک ہوا ہے۔" داد بخش آہستگی سے بولا۔

"تم فکر نہ کرو میں تمہارا فلیٹ ان چھ دنوں میں ایسا تیار کروا دوں گا کہ تمہیں خود پہ رشک آنے لگے گا۔" شاہ میر نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"اور گاڑی؟"

"ارے یار! فکر کیوں کرتے ہو تمہاری گاڑی کو دلہنوں کی طرح سجا کر لاؤں گا اور دولہا کو بھی۔" شاہ میر نے خوش دلی سے کہا۔

"شاہ میر زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں۔" وہ اسے گھورتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیوں تمہیں شرم آ رہی ہے ویسے جس لاڑے (دولہا) کو شرم آتی ہے اس پہ روپ بھی بہت آتا ہے۔" شاہ میر ہنس کے بولا۔

"بتانے کا شکریہ۔" داد بخش نے کہا۔

"کیا ہم بھی انوائٹڈ ہیں؟"

"ارے یار! تم ہی تو انوائٹڈ ہو میری طرف سے اور ہے ہی کون؟ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی نہ کوئی اور رشتہ دار' ایک دوست ہی تو ہے۔" داد بخش کے لہجے میں رنجیدگی اتر آئی تھی۔

"ارے یار اگر میں ہوں تمہاری طرف سے تو میں سارے رشتے نبھاؤں گا۔" شاہ میر نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"تھینک یو شاہ میر! مجھے لگتا ہے اللہ نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

Best urdu Novels

6:26 AM khokhar

Best urdu Novels

1500 Best Urdu Novels

You might also like:

Bahoun Ke Gheray Main | 1500 Urdu novels | Gulabay Rut Bahara Musam | Karbe Ashnai by tahir Javed

ہمدرد نئی کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے

urdunovelspdf.blogspot.com

"اپنی دے۔ تم یہ بتاؤ سردار بیگم اور ان کی حویلی کا کیا کرو گے؟" شاہ میر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"شاہ میر! تم سچ پوچھو تو میں سردار بیگم کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ نہ آج نہ کل، لیکن ایک بات اور ہے کہ میں اب حویلی میں رہنا بھی نہیں چاہتا' حالانکہ آج تک انہوں نے جو احسان اور کرم نوازیاں مجھ پہ کی ہیں وہ شاید ہی کوئی دوسرا بندہ کر سکتا ہو۔ لیکن میں اپنی بیوی کی ذمہ داری میں خود اٹھانا چاہتا ہوں۔ پہلی کمائی سردار بیگم کے ہاتھ پہ ہی رکھوں گا کیونکہ میری کمائی پہ پہلا حق ان ہی کا ہے' وہ میری ماں بھی ہیں اور باپ بھی جب تک وارث بڑا نہیں ہو جاتا میں حویلی کے تمام کام تمام ذمہ داریاں نبھاؤں گا جیسے پہلے نبھاتا رہا ہوں۔ لیکن ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کروں گا۔ وارث ذمہ دار ہو گیا تو میں بالکل ہاتھ ہٹالوں گا کیونکہ اگر اس وقت میں سب کچھ یہیں چھوڑ دوں تو سردار بیگم کو بڑی پرابلم ہوگی۔"

داد بخش بغیر رکے بولتا چلا گیا تھا اور شاہ میر کو اس کے خیالات جان کر خوشی ہوئی تھی لیکن حویلی جاکر جب انہی خیالات کا اظہار اس نے سردار بیگم کے سامنے کیا تو وہ چپ کی چپ رہ گئی تھیں۔

"سردار بیگم! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا بولوں؟ کیا بولنے کے لیے کچھ [illegible] سارا کچھ طے کر کے اب مجھ سے مہر لگوانے آئے ہو؟"

"ہاں سردار بیگم! سب کچھ طے کر کے آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے روک نہ سکیں' سردار بیگم! میں اگر یہاں رہا تو میری گردن اور میری نظر ہمیشہ کے لیے جھکی رہے گی۔ میری اوقات تو کیا میری ذات بھی نہیں رہے گی۔ میں گھر داماد بن کے کسی سے نظر نہیں ملا پاؤں گا۔ کبھی سر نہیں اٹھا سکوں گا آپ کی اتنی محنتوں سے دلوائی ہوئی تعلیم رائیگاں جائے گی۔ سردار بیگم! پلیز داد بخش کہیں بھی چلا جائے لیکن آپ کے قدموں کی خاک ہی رہے گا۔"

اس نے کہتے کہتے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے آنکھوں سے لگالیے تھے۔

داد بخش کی خودداری پر ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ ان کا انتخاب صحیح تھا۔ وہ خود بھی سوچتی تھیں کہ ان کی وفات کے بعد داد بخش کا ٹھکانا کیا ہو گا۔ یہاں لوگوں کے رویے ان سے چھپے نہیں تھے' ان کی زندگی میں یہ حال تھا تو ان کی وفات کے بعد نہ جانے کیا ہونا تھا۔

"جاؤ میرے بچے! اللہ کامیابیاں تمہارے قدموں میں بچھا دے۔" انہوں نے اسے محبت پاش اور نم آلود آنکھوں سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دے کر دعا دی تھی' داد بخش نے بے ساختہ ان کی پیشانی چوم لی تھی۔

"تھینک یو اماں بیگم! تھینک یو سو مچ۔"

"تم مجھے اماں کہہ رہے ہو؟" وہ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔

"ہاں اب میں خود سے نظر ملانے کے قابل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے سردار بیگم نہیں اپنی ماں کی صورت نظر آرہی ہے۔" وہ ان کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھینچ رہا تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ سردار بیگم نے بچپن سے ہزاروں بختن کے [illegible] دادی بیگم کے [illegible] جاتی اور [illegible] کو کبھی [illegible] سردار بیگم ہی کہا تھا' وہ خود کو نوکروں کے دائرے میں رکھتا تھا لیکن آج وہ نوکروں کے دائرے سے نکل کر خود کو ایک رشتے کے دائرے میں محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آزاد ہو چکے تھے۔ اس نے شاہ میر کو فون کر کے سردار بیگم کی رضامندی بھی بتادی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس پر لگژری فلیٹ کا کونا کونا پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ شاہ میر نے داد بخش کا بیڈ روم ہی نہیں بلکہ ڈرائنگ روم، کچن اور لاؤنج میں بھی پھولوں سے ڈیکوریشن کروائی ہوئی تھی' اس فلیٹ میں قدم رکھتے ہی سفید موتیا اور سرخ گلابوں کے انبار نظر آرہے تھے

Asif Zameel

اور مہک اتنی مسحور کن تھی کہ قدم تھم سے گئے تھے۔ دل کے تار خوشبو کی شرارتوں سے بجنے لگے تھے۔ جذبات اتنے معطر اور پاکیزہ تھے کہ داد بخش کا اپنا ہی دل پگھلا جا رہا تھا۔ دل کی حالت اس کی پیشانی پہ چمکتے قطروں سے نظر آنے لگی تھی اور وہ اسی مشکل کا شکار تھا کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار اس پاگل لڑکی کے سامنے کرے گا بھی تو کیسے؟

"داد بخش!" شاہ میر نے اسے پکارا۔

"ہوں؟"

"لگتا ہے تو خیالوں ہی خیالوں میں اپنے بیڈ روم میں پہنچا ہوا ہے۔" اس نے چھیڑا۔

"پہنچنا بھی چاہیے' آخر اتنا ٹائم ہو رہا ہے؟" شاہ میر کی امی نے اٹھتے ہوئے کہا آج شاہ میر کی فیملی بھی شادی میں شریک ہوئی تھی۔

"ارے نہیں آنٹی! آپ بیٹھیے ناں' اتنی جلدی اٹھنے کی کیا ضرورت ہے؟" داد بخش نے انہیں روکا' وہ لوگ انہیں گھر تک چھوڑنے آئے تھے۔

"تم سب کے درمیان بیٹھے ہوئے ہو اس لیے تمہیں جلدی لگ رہی ہے' لیکن اندر دلہن اکیلی بیٹھی ہے' اسے یہ ٹائم بھی آدھی رات لگ رہا ہو گا' تم اس کے پاس جاؤ شاباش۔" انہوں نے کندھا تھپکا۔ داد بخش مسکراتے ہوئے دروازہ لاک کر کے بیڈ روم میں آ گیا' اس وقت ساڑھے گیارہ کا ٹائم ہو رہا تھا لیکن تنہائی کی وجہ سے رات خاصی گہری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کے اندر آیا تو قدموں کی روانی میں کمی آ گئی اندر ہر چیز ہی ہوش ربا تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے سلام کیا۔ مہواہ ذرا سا پیچھے کھسک گئی تھی اور اس نے اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ وہ اس کی اس حرکت میں چھپی ناراضی کو اچھی طرح سمجھتا تھا اسی لیے سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟

"دیکھیے مہواہ بی بی! میں آپ کا شوہر ہوں' ملازم نہیں کہ آپ کے نخرے ہی دیکھتا رہوں۔" اس نے مہواہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے کر لیا تھا اور اس کا گھونگھٹ الٹ دیا تھا لیکن گھونگھٹ کے اندر مہواہ ششدر سی حالت میں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب تم نے کہا ہے؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"جی میں نے ہی کہا ہے اور یقیناً آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو گا؟" داد بخش نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا داد بخش!" وہ واقعی حیرانی کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

"آیئے میں آپ کو یقین دلا دیتا ہوں۔" اس نے مہواہ کو بازو کے حصار میں گھیرا تھا لیکن وہ جیسے ہوش میں آ گئی تھی یکدم تڑپ کے دور ہٹ گئی۔

"بس بس تم اپنے یقین اپنے پاس ہی رکھو' میرے پاس آنے کی اور مجھے چھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' میں تمہارے لیے کیا ہوں' خوب جانتی ہوں میں۔" وہ تنک گئی تھی۔

"کیا جانتی ہیں آپ؟" اس نے مہواہ کا بازو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔

"یہی کہ میں زبردستی تم پہ مسلط کی گئی ہوں [illegible] دادی بیگم کی [illegible] اور مہواہ کی زندگی میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں کوئی برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی تمہاری نظر میں۔" مہواہ کو آج موقع ملا تو اپنے حساب کتاب کھول بیٹھی تھی۔

"سردار بیگم سے میرا کیا رشتہ تھا کہ وہ مجھے ایک دربار سے اٹھا کر گھر لے آئیں؟ مجھے تعلیم دلوائی محبت دی عزت دی' میں ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا بجائے کہ ان کے گھر کی عزت پر نظر ڈالتا۔ اور رہی آپ کی اہمیت تو اپنی اہمیت میرے رب سے پوچھیے جس سے میں دعائیں کرتا تھا اور ان دعاؤں میں آپ کے نام کے علاوہ کوئی اور نام نہیں ہوتا تھا۔" داد بخش کے لفظ لفظ سے سچائی کی مہک اٹھ رہی تھی۔

"تو پھر تم محبت سے انکار کیوں کرتے تھے؟"

"کیونکہ اس وقت میں اپنے آپ کو آپ کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ اس وقت میں خود محتاج تھا کسی کا دیا کھاتا تھا آپ کو وہ سب نہیں دے سکتا تھا جس کا آپ حق رکھتی تھیں۔"

اس نے مہواہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ مہواہ کی نظر جھک گئی تھی۔۔۔ اور داد بخش نے اس کی جھکی پلکوں پہ اپنے ہونٹوں کا لمس سجا کر انہیں بوجھل کر دیا تھا۔ مہواہ کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا اور دل کا پنچھی سینے کے پنجرے میں پھڑپھڑا کے رہ گیا۔

"داد!" اس کی گرفت میں استحقاق بڑھا تو وہ بوکھلا گئی تھی۔

"اپنی شدتوں کا تو ہمیشہ اظہار کیا آپ نے' اب میری شدتوں کو رستہ ملا ہے تو بس تماشا دیکھیے۔" اس کی آواز کی گمبھیرتا مہواہ کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر گئی تھی۔

وہ ایسا رومانٹک بھی ہو سکتا ہے اس [illegible] سوچا بھی نہیں تھا۔ [illegible] کھلی [illegible] مسکرا اٹھی۔

✲ ✲ ✲

صبح فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو اس کی پہلی نظر مہواہ کے چہرے پہ گئی تھی جو اس کے بازو پہ سر رکھے سو رہی تھی لیکن نیند میں بھی دھیمی سی مسکان نے اس کے لبوں کا احاطہ کر رکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ دائمی مسکان اس کے لبوں پہ ہمیشہ کے لیے ٹھہر گئی ہو۔ لیمپ کی مدھم روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور داد بخش اپنی سوئی ہوئی دلکش ملکیت سے نظریں نہیں ہٹا سکا تھا اور بے اختیار اس کے چہرے پہ جھکتے ہوئے اس کی مسکراہٹ میں اپنی مسکراہٹ کے رنگ بھر دیے تھے اس کے لمس کا دل و دماغ پہ خمار چھایا تھا اور مہواہ کی آنکھیں سرعت سے کھل گئی تھیں۔ وہ کہنی کے بل پہ اسی کی سمت جھکا ہوا تھا۔

"تم جاگ رہے ہو؟"

"خوش قسمتی سے آنکھ کھل گئی۔"

"لیکن اس وقت؟" مہواہ نے نظر گھما کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے کلاک کو دیکھا۔ اس کی اپنی آواز اور آنکھیں نیند کی وجہ سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں' میں آپ کے لیے نہیں جاگ رہا' میں تو نماز پڑھنے کے لیے جاگ رہا ہوں۔" اس نے مہواہ کے بال چہرے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا اور اپنی انگلی سے اس کے نرم شفاف گلابی ہونٹوں کو چھونے لگا۔

"تو پھر جاؤ نماز پڑھو۔"

"ابھی چند منٹ ہیں نماز میں' ابھی اذان نہیں ہوئی۔" وہ پھر کسی گستاخی کے ارادے سے اس پہ جھکا لیکن مہواہ نے تیزی سے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے روک دیا تھا۔

"بہت بے شرم ہو تم' کہاں تو نظر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں تھے اور کہاں اب نظر ہٹا ہی نہیں رہے؟" اس نے [illegible] سے کہا تھا۔

"اگر نظر ہٹاؤں تو پھر آپ کو ہی شکوہ ہو گا کہ میں نظر بھر کے دیکھتا ہی نہیں؟" اس نے شرارت سے کہا۔

"مہواہ بی بی! ایک بات تو بتائیں؟"

"اف ایک تو یہ "بی بی" کا دم چھلا نجانے کب پیچھا چھوڑے گا؟"

"تو اور کیا کہوں؟" وہ مسکراہٹ دبا کے بولا۔

"داد بیگم۔۔۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"داد بیگم؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ہاں میری بڑی خواہش ہے کہ جس طرح لوگ دادا جان کے نام سے دادی بیگم کو "سردار بیگم" کہتے ہیں اسی طرح مجھے بھی تمہارے نام سے "داد بیگم" کہہ کے پکاریں۔۔۔" وہ کھلکھلایا۔

"اور یہ تم مجھے آپ کے بجائے "تم" کا درجہ کب دو گے؟" اس نے گھور کے پوچھا۔

"جب آپ مجھے تم کے بجائے "آپ" کا درجہ دیں گی۔" داد بخش کا جواب برجستہ تھا۔ مہواہ اپنی غلطی پہ چپ ہو گئی بلکہ کچھ کھسیا گئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔۔۔"

"اٹس اوکے آئندہ سہی۔" وہ ہنسا تھا۔

digestpk.blogspot.com

Asif Zameel

"اذان ہو رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں' آپ بھی اٹھ کر فریش ہو جائیں اور نماز پڑھ لیں۔" وہ کمبل ہٹا کر اٹھ گیا تھا اور نماز پڑھنے کے لیے مسجد چلا گیا اس کے پیچھے مہواہ بھی اٹھ گئی تھی اس نے شاور لیا' وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

نماز پڑھنے کے بعد وہ کھڑکی سے پردے ہٹا کر سورج کی نوخیز کرنوں سے لطف اندوز ہونے لگی تھی لیکن دھیان اب بھی داد بخش کی طرف ہی تھا۔

"داد بخش میں تمہیں اپنے دل سے سلام پیش کرتی ہوں تم نے اپنے مضبوط کردار کے بل بوتے پہ سردار بیگم کا دل بھی جیت لیا اور مہواہ ولی محمد کو بھی۔ آج میں یہاں ہوں تو صرف تمہاری ایمانداری' دیانتداری اور کردار کی وجہ سے' ورنہ یہاں ایسا کوئی مرد نہیں جو اپنی طرف بڑھنے والی لڑکی کا ہاتھ جھٹک دے یا اس کے وجود سے نظریں چرا لے۔ تم میرا نصیب بنے ہو تو میں واقعی خوش نصیب ہو گئی ہوں آئی ایم رئیلی پراؤڈ آف یو۔" وہ کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے اپنی سوچوں کے دوش پہ نجانے کہاں سے کہاں پہنچی ہوئی تھی۔!

✿ ✿ ✿

آج شادی کے دو دن بعد مہواہ گاؤں واپس آئی تھی۔ سردار بیگم نے مہر نگار' وارث اور رابعہ بی بی کو لینے کے لیے بھیجا تھا۔ داد بخش کو شاہ میر کے ساتھ مل کر کوئی میٹنگ طے کرنا تھی اس لیے مہواہ کو رخصت کر کے آفس چلا گیا تھا لیکن سردار بیگم نے اسے باقاعدہ فون کر کے آنے کی تاکید کی تھی اور اس نے ہامی بھی بھر لی تھی۔

ایک گھنٹے بعد وہ فارغ ہوا تو گاؤں کا رخ کیا تھا لیکن گاؤں میں داخل ہوتی سڑک کے بیچوں بیچ کسی کی بائیک اوندھی پڑی تھی وہ تین بار اس نے گاڑی کا ہارن دیا لیکن کوئی پتہ نہ چلا کہ بائیک کا مالک کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ وہ گاڑی روک کے نیچے اتر آیا تھا جیسے ہی وہ بائیک کو ہٹانے کے لیے آگے بڑھا ایک سنسناتی ہوئی گولی اس کا کندھا چھید کے رکھ گئی تھی۔ داد بخش اک کراہ کے ساتھ پلٹا تھا۔ سڑک کے قریب جھاڑیوں میں اسے رمیز کی شکل نظر آئی تھی لیکن دوسری گولی اس کے بازو کو چیرتی ہوئی گزر گئی تھی وہ یکدم لڑکھڑا کے گرا تھا اتنے میں لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ رمیز بائیک لے کر ہوا ہو گیا تھا۔ داد بخش اسے اچھی طرح پہچان چکا تھا' گاؤں کا چاچا بشیر الٰہی ہاتھ میں درانتی پکڑے سب سے پہلے داد بخش تک پہنچا تھا۔

"اوئے داد بخش! اوئے کیا ہو گیا؟ گولی کس نے چلائی؟ کون تھا؟"

بشیرے لوہار کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اس نے داد بخش کا سر اٹھا کر گود میں رکھا تھا لیکن اتنے میں اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور اتفاقاً دوسری حویلی کا ڈرائیور امتیاز گاڑی لے کر آ گیا' وہ بھی داد بخش کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور پھر وہاں جمع ہونے والے تمام کسانوں نے مل کر اسے گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئے تھے اور کچھ حویلی کی طرف دوڑ پڑے تھے حویلی میں بھی جس جس کو پتہ چلا وہ دھک سے رہ گیا تھا!

✿ ✿ ✿

مہواہ چونک کر اٹھی تھی۔ نہ جانے کیسا خواب دیکھا تھا۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا' اس نے داد بخش کے بارے میں پوچھا تھا اور یہ جان کر کہ وہ ہسپتال میں ہے اس پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔

"اف خدایا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ چکرا کر گرنے لگی تھی کہ مہوش نے اٹھ کر اسے تھام لیا تھا۔

"مہواہ! پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے خود کو سنبھالو وہ اب ٹھیک ہے۔ دادی بیگم کا فون آیا تھا۔ وہ پولیس کو بھی اطلاع کر چکی ہیں۔" مہواہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی تھی۔ وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی اور رابعہ بی بی اسے چپ کرواتے ہوئے تسلی دینے لگیں۔

...[illegible] قاسم علی تو اطلاع ملتے ہی ہسپتال پہنچ گیا تھا لیکن جیسے جیسے سب کو خبر مل رہی تھی سبھی پریشان ہو رہے تھے۔

"ہاں! اس پہ گولی رمیز نے چلائی ہے' یہ کام وہی بخت کر سکتا ہے' ورنہ داد کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے بھلا؟" مہواہ ہچکیوں کے درمیان بولی تھی۔

"بس بیٹا! ہم کیا کہہ سکتے ہیں اب؟ یہ تو پولیس ہی بتائے گی کہ یہ کس کا کام ہے؟" رابعہ بی بی بغیر کسی تصدیق کے رمیز پہ الزام نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔

✿ ✿ ✿

"داد...!" وہ بے تاب سی اندر داخل ہوئی تھی۔ داد بخش نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اسے ابھو ہسپتال چھوڑ کے گیا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"آپ کیسے ہیں؟ کب ڈسچارج ہوں گے ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" [illegible]

"اف تمہاری [illegible] اور جلد بازیاں۔" وہ [illegible] شروع سے ہی ایسی تھی' جذباتی اور جنونی...!

"میں صبر نہیں کر سکتی۔ آپ کے معاملے میں تو ہرگز نہیں۔"

"یار صبر کس کافر کو آتا ہے؟ مجھ سے پوچھو میں صبر کی کس انتہا پہ ہوں' تم سامنے کھڑی ہو اور میں بے بس۔" داد بخش کی معنی خیز بے باک نظر مہواہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی مہواہ نظر چرانے پہ مجبور ہو گئی۔

"پلیز داد! مجھے ٹالیں مت۔ یہ بتائیں طبیعت اب کیسی ہے؟"

"تم آ گئیں اور میں ٹھیک ہو گیا' کہو تو اٹھ کر بیٹھ جاؤں؟"

"نن نہیں... آپ آرام کریں۔" وہ گھبرا گئی تھی "ڈاکٹر سے کہو جلدی ڈسچارج کر دے کہیں دل کے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

❁ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
❁ نئے بال اگاتا ہے
❁ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
❁ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید
❁ ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

قیمت = /100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے .... =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel

ارمان دل میں ہی نہ رہ جائیں' پہلے ہی آپ سے "تم" تک آتے آتے عمر گزر گئی ہے' قسم سے یار! یوں لگتا ہے تمہاری چاہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔" مہپاہ اس کے افسردہ سے انداز پہ یکدم کھلکھلا کے ہنسی تھی۔

"ظاہر ہے میں اکیس سال کی کمسن دوشیزہ اور آپ تیس سالہ مرد "اف اتنی ایج۔" اس نے منہ بنا کے کہا۔

"بس بس زیادہ دوشیزہ بننے کی بھی ضرورت نہیں ہے تمہاری شادی ہو چکی ہے اب۔" داد بخش نے پینترا بدلا۔

"بہت تیز ہو گئے ہو؟"

"تمہارے ساتھ کا کمال ہے؟"

"کیا کہا؟" وہ چیخی۔

"ایک بات مانو گی؟"

"ہوں کہیں؟"

"اماں بیگم سے کہو کیس واپس لے لیں' رمیز کو آزاد کروا دیں ―― تین دن سے وہ جیل میں ہے اور پولیس والوں کی مار کھا رہا ہے۔ پلیز یار! میں کسی کی اذیت کا سبب نہیں بن سکتا۔ یوں سمجھ لو میں نے تمہارے صدقے اور اپنی خوشیوں کے صدقے اسے معاف کیا۔" داد بخش نے مہپاہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے سمجھایا۔

"دادی بیگم اسے معاف نہیں کریں گی اور وہ معافی کے قابل نہیں ہے اس نے دوبار ہمیں [illegible] کرنے کی کوشش کی ہے ایک بار میری عزت پہ ہاتھ ڈال کر اور ایک بار آپ پہ گولی چلا کر۔"

"یار غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے اور معاف بھی انسان ہی کرتے ہیں پلیز کوشش کرو کہ اماں بیگم مان جائیں۔"

داد بخش نے اسے راضی کرنا چاہا مہپاہ چپ ہو گئی تھی لیکن سردار بیگم اپنے اصولوں سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھیں سب نے کوشش کر کے دیکھ لی تھی لیکن وہ نہیں مانی تھیں اور پورا ایک سال گزر گیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے لگتا ہے یہ پورے کا پورا اماں بیگم پہ گیا ہے۔" داد بخش نے سردار بیگم کی گود میں لیٹے بچے کو غور سے دیکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"اور مجھے لگ رہا ہے کہ یہ پورے کا پورا تم پہ گیا ہے۔" سردار بیگم نے مسکرا کر داد بخش کو دیکھا۔

"واہ جی واہ۔ بیٹا میرا ہے اور لگ آپ جیسا رہا ہے کیا کمال کی بات ہے ہو نہ ہو آپ دونوں کو اپنے سوا بھی کوئی نظر آتا ہے یا نہیں؟ یہ میرے جیسا بھی تو ہو سکتا ہے؟" مہپاہ ان دونوں کی طوطا چشمی پہ سلگ اٹھی تھی اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوئے آٹھ دن ہو چکے تھے پہلے چھ سات دن مہپاہ کو مہرنگار اور رابعہ بی بی اس کے پاس وقفے وقفے سے آ کر رہی تھیں اور اس کی دیکھ بھال کرتی رہی تھیں اب وہ گئی تھیں تو داد بخش کی فرمائش پر سردار بیگم آ گئی تھیں اور ان کے ساتھ ان کی لاڈلی اور چہیتی رجائی بھی آئی ہوئی تھی۔

"بیٹے ہمیشہ باپ کا پرتو ہوتے ہیں۔" سردار بیگم نے مہپاہ کے سر پہ چپت لگائی۔

"لیکن بیٹوں کو زیادہ پیار ماؤں سے ہی ہوتا ہے۔" مہپاہ اترا کے بولی۔

"جیسے مجھے اماں بیگم سے ہے۔" داد بخش نے [illegible] کندھے پہ بازو پھیلایا۔

"ہاں اسی لیے [illegible] چوری چھپے جا [illegible] ملنے جاتے تھے؟" وہ گھور کے خفا سے لہجے میں بولی اور داد بخش قہقہہ لگا کے ہنس پڑا تھا اور سردار بیگم بھی اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھیں۔

"ابھی تک صدمہ ہے بے چاری کو۔"

"ہاں تو اور کیا مجھے کیا پتہ تھا کہ اندر ہی اندر میری جڑیں کاٹی جا رہی ہیں میری مخبری کی جا رہی ہے۔" اس کی خفگی پہ وہ دونوں ہنس رہے تھے کہ اتنے میں ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔

"شاہ میر بھائی ہوں گے۔" اس نے اندازہ لگایا۔ "میں دیکھتا ہوں۔" وہ اٹھ کر باہر آ گیا اور دروازہ کھول دیا لیکن سامنے راشدہ بیگم کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ؟"

"ہاں میں تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں داد بخش! اللہ کے واسطے مجھے مایوس مت کرنا۔" راشدہ بیگم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ پلیز اندر آ جائیے۔" وہ سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

"داد! کہاں رہ گئے آپ؟ کون ہے باہر؟" مہپاہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"بیگم صاحبہ آئی ہیں۔" وہ واپس ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے بولا جس پہ وہ دونوں چونک گئی تھیں۔

"میں کسی سے بھی کچھ کہنے نہیں آئی میں بس اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔" راشدہ بیگم نے سردار بیگم اور مہپاہ کی طرف دیکھ کر داد بخش کو دیکھا تھا۔ "خدا کے واسطے داد بخش! رمیز کو معاف کر دو اسے ایک سال ہو گیا ہے مقدمے کی پیشیاں بھگتتے ہوئے۔ وہ اب باہر جانا چاہتا ہے اس نے جو کیا واقعی برا کیا وہ اپنی سزا بھگت چکا ہے۔ بس کیس واپس لے لو۔" راشدہ بیگم نے ایک بار پھر [illegible] ہاتھ جوڑ دیے تھے [illegible] لگے تھے [illegible] نے ایک نظر سردار بیگم کو دیکھا۔ وہ رخ موڑ گئی تھیں۔ داد بخش نے آگے بڑھ کے راشدہ بیگم کے ہاتھ کھول دیے تھے۔

"آپ میری ماں کے برابر ہیں' ہاتھ جوڑ کر مجھے گناہ گار مت کیجیے' میں نے تو اسی وقت رمیز کو معاف کر دینے کا کہہ دیا تھا جب اسے پولیس نے پکڑا تھا لیکن اماں بیگم کے اصول کے مطابق اسے سزا ملنی چاہیے تھی' جہاں تک میرا تعلق ہے میں اسے کھلے اور سچے دل سے معاف کرتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں میں کل ہی وکیل صاحب سے بات کر کے کیس واپس لینے کی درخواست پیش کرتا ہوں۔"

داد بخش کے فیصلے پہ سردار بیگم نے چونک کر دیکھا تھا جبکہ راشدہ بیگم کے چہرے پہ خوشی اور بے یقینی کے سائے لہرا گئے تھے۔

"وہ اماں بیگم؟" راشدہ بیگم نے کسی خدشے کے تحت کہا۔

"اماں بیگم میری ماں ہیں وہ میری بات سے انکار نہیں کریں گی آپ بیٹھیے اور چائے پی کر جائیے گا۔" داد بخش نے کتنے یقین سے کہتے ہوئے راشدہ بیگم کو صوفے پہ بٹھایا تھا اور راشدہ بیگم شرمندہ ہو کے رہ گئی تھیں انہیں اپنا رویہ یاد آ گیا تھا۔

"مہپاہ! رجائی سے کہو چائے لے کر آئے۔" اس نے اشارہ کیا۔

"جی ابھی کہتی ہوں۔" وہ فوراً اٹھ گئی۔

"راشدہ بیگم! یہ فرق ہے میری تربیت میں اور تمہاری تربیت میں' تمہارا اپنا ہی بیٹا تمہارے اختیار میں نہیں جبکہ میرے بیٹے نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ جاؤ میں اپنے داد کے صدقے تمہیں اور تمہارے بیٹے کو معاف کرتی ہوں۔"

سردار بیگم نے دل پہ لگا تالا کھول دیا تھا۔

راشدہ بیگم نے آج سچے دل سے تسلیم کیا تھا کہ انسان کی [illegible] اس کی بڑائی اس کے خاندان اور [illegible] سے نہیں اس کے کردار سے ہوتی ہے۔

☼

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دل دا دیس
ثمرہ بخاری
قیمت ۔۔۔ 350/- روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

digestpk.blogspot.com
Asif Zameel